



Noble Quran

الْقُرْآنُ الْحَكِيمُ

Quran Urdu Translation اردو ترجمہ

Maulana Muhammad Sahib

مولانا محمد صاحب جوناگڑھی

Quran Tafsir تفسیر

Maulana Salahudin Yusuf

مولانا صلاح الدین یوسف

Surah Ash Shuara

سورة الشعراء

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

طسم (۱)

طسم

تِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ الْمُبِينِ (۲)

یہ آیتیں روشن کتاب کی ہیں

لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَفْسًا أَلَّا يَكُونُوا الْمُؤْمِنِينَ (۳)

ان کے ایمان نہ لانے پر شاید آپ تو اپنی جان کھودیں گے

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو انسانیت سے جو ہمدردی اور ان کی ہدایت کے لئے جو تڑپ تھی، اس میں اس کا اظہار ہے۔

إِنْ نَشَأْ نُزَلِّ عَلَيْهِمْ مِنَ السَّمَاءِ آيَةً فَظَلَّتْ أَعْنَاقُهُمْ لَهَا خَاضِعِينَ (۴)

اگر ہم چاہتے تو ان پر آسمان سے کوئی ایسی نشانی اتارتے کہ جس کے سامنے ان کی گردنیں خم ہو جاتیں

یعنی جسے مانے اور جس پر ایمان لائے بغیر چارہ نہ ہوتا۔ لیکن اس طرح جبر کا پہلو شامل ہو جاتا، جب کہ ہم نے انسان کو ارادہ و اختیار کی آزادی دی ہے تاکہ اس کی آزمائش کی جائے۔ اس لئے ہم نے ایسی نشانی بھی اتارنے سے گریز کیا جس سے ہمارا یہ قانون متاثر ہو۔ اور صرف انبیاء و رسل بھیجئے اور کتابیں نازل کرنے پر ہی اکتفا کیا۔

وَمَا يَأْتِيهِمْ مِنْ ذِكْرٍ مِنَ الرَّحْمَنِ مُحَدَّثٍ إِلَّا كَانُوا عَنْهُ مُعْرِضِينَ (۵)

اور ان کے پاس رحمان کی طرف سے جو بھی نئی نصیحت آئی یہ اس سے روگردانی کرنے والے بن گئے۔

فَقَدْ كَذَّبُوا فَسَيَأْتِيهِمْ أَنْبَاءُ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ (٦)

ان لوگوں نے جھٹلایا ہے اب انکے پاس جلدی سے اسکی خبریں آجائیں گی جسکے ساتھ وہ مسخر اپن کر رہے ہیں

یعنی تکذیب کے نتیجے میں ہمارا عذاب عنقریب انہیں اپنی گرفت میں لے لے گا جسے وہ ناممکن سمجھ کر استہزاء و مذاق کرتے ہیں یہ عذاب دنیا میں بھی ممکن ہے جیسا کہ کئی قومیں تباہ ہوئیں بصورت دیگر آخرت میں تو اس سے کسی صورت چھٹکارا نہیں ہوگا۔
ماکانوا عنہ معرضین نہیں کہا بلکہ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ کہا کیونکہ استہزاء ایک تو اعراض و تکذیب کو بھی مستلزم ہے دوسرے یہ اعراض و تکذیب سے زیادہ بڑا جرم ہے۔ فتح القدر

أَوْلَمَ يَرَوْا إِلَى الْأَرْضِ كَمَا أَنْبَتْنَا فِيهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيمٍ (٧)

کیا انہوں نے زمین پر نظریں نہیں ڈالیں کہ ہم نے اس میں ہر طرح کے نفیس جوڑے کس قدر اگائے ہیں؟

زَوْج کے دوسرے معنی یہاں صنف اور نوع کے کیئے گئے ہیں۔

یعنی ہر قسم کی چیزیں ہم نے پیدا کیں جو کریم ہیں یعنی انسان کے لئے بہتر اور فائدے مند ہیں۔ جیسے غلہ جات ہیں پھل میوے ہیں اور حیوانات وغیرہ ہیں۔

إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُؤْمِنِينَ (٨)

بیشک اس میں یقیناً نشانی ہے (۱) اور ان میں سے اکثر لوگ مؤمن نہیں ہیں (۲)

۱۔ یعنی جب اللہ تعالیٰ مردہ زمین سے یہ چیزیں پیدا کر سکتا ہے، تو کیا انسانوں کو دوبارہ پیدا نہیں کر سکتا۔
۲۔ یعنی اس کی یہ عظیم قدرت دیکھنے کے باوجود اکثر لوگ اللہ اور رسول کی تکذیب ہی کرتے ہیں، ایمان نہیں لاتے۔

وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُو الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ (٩)

اور تیرا رب یقیناً وہی غالب اور مہربان ہے۔

یعنی ہر چیز پر اس کا غلبہ اور انتقام لینے پر وہ ہر طرح قادر ہے لیکن چونکہ وہ رحیم بھی ہے اس لئے فوراً گرفت نہیں فرماتا بلکہ پوری مہلت دیتا ہے اور اس کے بعد مواخذہ کرتا ہے۔

وَإِذْ نَادَى رَبُّكَ مُوسَىٰ أَنْ ائْتِ الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ (١٠)

اور جب آپ کے رب نے موسیٰ کو آواز دی کہ تو ظالم قوم کے پاس جا۔

یہ رب کی اس وقت کی ندا ہے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین سے اپنی اہلیہ کے ہمراہ واپس آ رہے تھے، راستے میں انہیں حرارت حاصل کرنے کے لئے آگ کی ضرورت محسوس ہوئی تو آگ کی تلاش میں کوہ طور پہنچ گئے، جہاں ندا غیبی نے ان کا استقبال کیا اور انہیں نبوت سے سرفراز کر دیا گیا اور ظالموں کو اللہ کا پیغام پہنچانے کا فریضہ انکو سونپ دیا گیا۔

قَوْمَهُ فِرْعَوْنَ أَلا يَتَفَقَهُونَ (۱۱)

قوم فرعون کے پاس، کیا وہ پرہیزگاری نہ کریں گے۔

قَالَ رَبِّ إِنِّي أَخَافُ أَنْ يُكَذِّبُونِ (۱۲)

موسیٰؑ نے کہا میرے پروردگار! مجھے خوف ہے کہ کہیں وہ مجھے جھٹلا (نہ) دیں۔

وَيَضِيقُ صَدْرِي وَلَا يَنْطَلِقُ لِسَانِي فَأَرْسِلْ إِلَىٰ هَٰؤُلَاءِ (۱۳)

اور میرا سینہ تنگ ہو رہا ہے (۱) میری زبان چل نہیں رہی (۲) پس تو ہارون کی طرف بھی (وحی) بھیج۔ (۳)

۱۔ اس خوف سے کہ وہ نہایت سرکش ہے، میری تکذیب کرے گا۔

اس سے معلوم ہوا کہ طبع خوف انبیاء کو بھی لاحق ہو سکتا ہے۔

۲۔ یہ اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام زیادہ بول نہیں سکتے تھے۔ یا اس طرف کہ زبان پر انگارہ رکھنے کی وجہ سے لکنت پیدا ہو گئی تھی، جسے اہل تفسیر بیان کرتے ہیں۔

۳۔ یعنی ان کی طرف جبرائیل علیہ السلام کو وحی دے کر بھیج اور انہیں بھی نبوت سے سرفراز فرما کر میرا معاون بنا۔

وَلَهُمْ عَلَيَّ ذَنْبٌ فَأَخَافُ أَنْ يَقْتُلُونِ (۱۴)

اور ان کا مجھ پر میرے ایک قصور کا (دعویٰ) بھی ہے مجھے ڈر ہے کہ کہیں وہ مجھے مار نہ ڈالیں

یہ اشارہ ہے اس قتل کی طرف، جو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے غیر ارادی طور پر ہو گیا تھا اور مقتول قبیل یعنی فرعون کی قوم سے تھا، اس لئے فرعون اس کے بدلے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنا چاہتا تھا، جس کی اطلاع پا کر حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر سے مدین چلے گئے تھے۔ اس واقعہ پر اگرچہ کئی سال گزر چکے تھے، مگر فرعون کے پاس جانے میں واقعی یہ امکان موجود تھا کہ فرعون ان کو اس جرم میں پکڑ کر قتل کی سزا دینے کی کوشش کرے۔ اس لئے یہ خوف بھی بلا جواز نہیں تھا۔

قَالَ كَلَّا فَاذْهَبَا يَا تَيْتَانَا إِنَّا مَعَكُمْ مُسْتَمْعِنُونَ (۱۵)

جناب باری تعالیٰ نے فرمایا! ہرگز ایسا نہ ہو گا، تم دونوں ہماری نشانیاں لے کر جاؤ (۱) ہم خود سننے والے تمہارے ساتھ ہیں (۲)

۱۔ اللہ تعالیٰ نے تسلی دی کہ تم دونوں جاؤ، میرا پیغام ان کو پہنچاؤ، تمہیں جو اندیشے لاحق ہیں ان سے ہم تمہاری حفاظت کریں گے۔

آیات سے مراد وہ دلائل ہیں جن سے ہر پیغمبر کو آگاہ کیا جاتا ہے یا وہ معجزات ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیئے گئے تھے، جیسے ید بیضا اور عصا۔

۲۔ یعنی تم جو کچھ کہو گے اور اس کے جواب میں وہ جو کچھ کہے گا، ہم سن رہے ہونگے اس لئے گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم تمہیں فریضہ رسالت سونپ کر تمہاری حفاظت سے بے پروا نہیں ہو جائیں گے بلکہ نصرت و معاونت ہے۔

فَأْتِيَا فِرْعَوْنَ فَقُولَا إِنَّا رَسُولُ رَبِّ الْعَالَمِينَ (۱۶)

تم دونوں فرعون کے پاس جا کر کہو کہ بلاشبہ ہم رب العالمین کے بھیجے ہوئے ہیں۔

أَنْ أُرْسِلَ مَعَنَا بَنِي إِسْرَائِيلَ (۱۷)

کہ تو ہمارے ساتھ بنی اسرائیل روانہ کر دے

یعنی ایک بات یہ کہو کہ ہم تیرے پاس اپنی مرضی سے نہیں آئے ہیں بلکہ رب العالمین کے نمائندے اور اس کے رسول کی حیثیت سے آئے ہیں اور دوسری بات یہ کہ تو نے (چار سو سال سے) بنی اسرائیل غلام بنا رکھا ہے، ان کو آزاد کر دے تاکہ میں انہیں شام کی سرزمین پر لے جاؤں، جس کا اللہ نے وعدہ کیا ہوا ہے۔

قَالَ أَلَمْ نُزَكِّبْكَ فِينَا وَلَيْدًا

فرعون نے کہا کہ کیا ہم نے تجھے تیرے بچپن کے زمانہ میں اپنے ہاں نہیں پالا تھا؟

فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت اور مطالبے پر غور کرنے کی بجائے، ان کی جو ابد ہی کرنی شروع کر دی اور کہا کہ کیا تو وہی نہیں ہے جو ہماری گود میں اور ہمارے گھر میں پلا، جب کہ ہم بنی اسرائیل کے بچوں کو قتل کر ڈالتے تھے؟

وَلَيْسَتْ فِينَا مِنْ عُمَرِكَ سِنَّينَ (۱۸)

اور تو نے اپنی عمر کے بہت سے سال ہم میں نہیں گزارے؟

بعض کہتے ہیں کہ ۱۸ سال فرعون کے محل میں بسر کئے، بعض کے نزدیک ۳۰ سال اور بعض کے نزدیک چالیس سال یعنی اتنی عمر ہمارے پاس گزارنے کے بعد، چند سال ادھر ادھر رہ کر اب تو نبوت کا دعویٰ کرنے لگا؟

وَفَعَلْتَ فَعَلْتِكَ الَّتِي فَعَلْتَ وَأَنْتَ مِنَ الْكَافِرِينَ (۱۹)

پھر تو اپنا وہ کام کر گیا جو کر گیا اور تو ناشکروں میں ہے۔

پھر ہمارا ہی کھا کر ہماری ہی قوم کے ایک آدمی کو قتل کر کے ہماری ناشکری بھی کی۔

قَالَ فَعَلْتُمْهَا إِذًا وَأَنَا مِنَ الصَّالِينَ (۲۰)

موسیٰ نے جواب دیا کہ میں نے اس کام کو اس وقت کیا تھا جبکہ میں راہ بھولے ہوئے لوگوں میں سے تھا

یعنی یہ قتل ارادہ نہیں تھا بلکہ ایک گھونسنہ ہی تھا جو اسے مارا تھا، اس سے اس کی موت واقع ہو گئی۔

علاوہ ازیں یہ واقعہ بھی نبوت سے قبل کا ہے جب کہ مجھ کو علم کی یہ روشنی نہیں دی گئی تھی۔

فَفَقَّرْتُ مِنْكُمْ لَمَّا خِفْتُكُمْ فَوَهَبَ لِي رَبِّي حُكْمًا وَجَعَلَنِي مِنَ الْمُرْسَلِينَ (۲۱)

پھر تم سے خوف کھا کر میں تم میں سے بھاگ گیا، پھر مجھے میرے رب نے حکم و علم عطا فرمایا اور مجھے پیغمبروں میں سے کر دیا

یعنی پہلے جو کچھ ہوا، اپنی جگہ، لیکن اب میں اللہ کا رسول ہوں، اگر میری اطاعت کرے گا تو بچ جائے گا، بصورت دیگر ہلاکت تیرا مقدر ہوگی۔

وَتِلْكَ نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَيَّ أَنْ عَبَّدتَّ بَنِي إِسْرَائِيلَ (۲۲)

مجھ پر تیرا کیا یہی وہ احسان ہے؟ جسے تو جتلا رہا ہے کہ تو نے بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا ہے

یعنی یہ اچھا احسان ہے جو تو مجھے جتلا رہا ہے کہ مجھے تو یقیناً تو نے غلام نہیں بنایا اور آزاد چھوڑے رکھا لیکن میری پوری قوم کو غلام بنا رکھا ہے۔ اس ظلم عظیم کے مقابلے میں اس احسان کی آخر حیثیت کیا ہے؟

قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعَالَمِينَ (۲۳)

فرعون نے کہا رب العالمین کیا (چیز) ہے؟

یہ اس نے بطور دریافت کے نہیں، بلکہ جواب کے طور پر کہا، کیونکہ اس کا دعویٰ تو یہ تھا مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِنَ اللَّهِ عَزِيزٍ ' میں اپنے سوا تمہارے لئے کوئی اور معبود جانتا ہی نہیں'۔ (۲۸:۳۸)

قَالَ رَبُّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا إِنَّ كُنُتُمْ مَقُولِينَ (۲۴)

موسیٰ نے فرمایا وہ آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان کی تمام چیزوں کا رب ہے، اگر تم یقین رکھنے والے ہو۔

قَالَ لِمَنْ حَوْلَهُ آلَاتُ تَسْتَمْعُونَ (۲۵)

فرعون نے اپنے گرد والوں سے کہا کیا تم سن نہیں رہے؟

یعنی کیا تم اس کی بات پر تعجب نہیں کرتے کہ میرے سوا بھی کوئی اور معبود ہے؟

قَالَ رَبُّكُمْ وَرَبُّ آبَائِكُمُ الْأَوَّلِينَ (۲۶)

موسیٰ نے فرمایا وہ تمہارا اور تمہارے اگلے باپ دادوں کا پروردگار ہے۔

قَالَ إِنَّ رَسُولَكُمْ الَّذِي أُرْسِلَ إِلَيْكُمْ لَمَجْنُونٌ (۲۷)

فرعون نے کہا (لوگو!) تمہارا یہ رسول جو تمہاری طرف بھیجا گیا ہے یہ تو یقیناً دیوانہ ہے۔

قَالَ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَيْنَهُمَا إِنَّ كُنُتُمْ تَعْقِلُونَ (۲۸)

(موسیٰ نے فرمایا مشرق و مغرب کا اور ان کے درمیان کی تمام چیزوں کا رب (۱) ہے، اگر تم عقل رکھتے ہو۔

یعنی جس نے مشرق کو مشرق بنایا، جس سے کو اکب طلوع ہوتے ہیں اور مغرب کو مغرب بنایا جس میں کو اکب غروب ہوتے ہیں۔

اسی طرح ان کے درمیان جو کچھ ہے، ان سب کا رب اور ان کا انتظام کرنے والا بھی وہی ہے۔

قَالَ لَنْ اَتَّخِذَتْ اِلٰهًا غَيْرِيْ لَاجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِيْنَ (۲۹)

فرعون کہنے لگا سن لے! اگر تو نے میرے سوا کسی اور کو معبود بنایا تو میں تجھے قیدیوں میں ڈال دوں گا

فرعون نے دیکھا کہ موسیٰ علیہ السلام مختلف انداز سے رب العالمین کی ربوبیت کامل کی وضاحت کر رہے ہیں جس کا کوئی معقول جواب اس سے نہیں بن پارہا ہے۔ تو اس نے دلائل سے صرف نظر انداز کر کے دھمکی دینی شروع کر دی اور موسیٰ علیہ السلام کو قید کرنے سے ڈرایا۔

قَالَ اَوْلَوْ جِئْتَنِيْ بِشَيْءٍ مِّنْ مَّبِيْنٍ (۳۰)

موسیٰ نے کہا اگرچہ میں تیرے پاس کوئی کھلی چیز لے آؤں؟

یعنی ایسی چیز یا معجزہ جس سے واضح ہو جائے کہ میں سچا اور واقعی اللہ کا رسول ہوں، تب بھی تو میری صداقت کو تسلیم نہیں کرے گا؟

قَالَ فَاْتِ بِهٖ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ (۳۱)

فرعون نے کہا اگر تو سچوں میں سے ہے تو اسے پیش کر۔

فَاَلْقٰ عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ ثُعْبٰنٌ مُّبِيْنٌ (۳۲)

آپ نے (اسی وقت) اپنی لاٹھی ڈال دی جو اچانک کھلم کھلا (زبردست) اژدھا بن گئی

بعض جگہ ثُعْبَان کو حية اور بعض جگہ جان کہا گیا ہے ثُعْبَان وہ سانپ ہوتا ہے جو بڑا ہو اور جان چھوٹے سانپ کو کہتے ہیں اور حية چھوٹے بڑے دونوں قسم کے سانپوں پر بولا جاتا ہے۔ فتح القدر

گویا لاٹھی نے پہلے چھوٹے سانپ کی شکل اختیار کی پھر دیکھتے دیکھتے اژدھا بن گئی۔ واللہ اعلم

وَنَزَعْنَا مِنْ كٰفِرٍ اِذَا هِيَ كَبٰبٌ مُّبِيْنٌ (۳۳)

اور اپنا ہاتھ کھینچ نکالا تو وہ بھی اسی وقت دیکھنے والے کو سفید چمکیلا نظر آنے لگا

یعنی گریبان سے ہاتھ نکالا تو چاند کے ٹکڑے کی طرح چمکتا تھا؛ یہ دوسرا معجزہ موسیٰ علیہ السلام نے پیش کیا۔

قَالَ لِلْمَلَآئِكَةِ اِنَّ هٰذَا السّٰحِرُ عَلِيْمٌ (۳۴)

فرعون اپنے آس پاس کے سرداروں سے کہنے لگا بھئی یہ تو کوئی بڑا دانہ جادو گر ہے

فرعون بجائے اس کے کہ ان معجزات کو دیکھ کر، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تصدیق کرتا اور ایمان لاتا، اس نے جھٹلانے اور عناد کا راستہ اختیار کیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بابت کہا کہ یہ کوئی بڑا فنکار جادو گر ہے۔

يُرِيْدُ اَنْ يُجْرِبَكُمْ مِّنْ اٰمْرِكُمْ بِسِحْرِهِ فَمَا ذَا اتَاكُمْ رُوْنٌ (۳۵)

یہ تو چاہتا ہے کہ اپنے جادو کے زور سے تمہیں تمہاری سر زمین سے ہی نکال دے، بتاؤ اب تم کیا حکم دیتے ہو۔

پھر اپنی قوم کو مزید بھڑکانے کے لئے کہا کہ وہ ان شعبہ باز یوں کے ذریعے سے تمہیں یہاں سے نکال کر خود اس پر قابض ہونا چاہتا ہے۔

اب بتلاؤ! تمہاری کیارائے ہے؟
یعنی اس کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے۔

قَالُوا أَلَمْ نَجْعَلْ لَكَ آخَاةً وَأَخَاهُ وَأَنْعَشْنَا فِي الْمَدِينَةِ خَاشِعِينَ (۳۶)

ان سب نے کہا آپ اسے اور اس کے بھائی کو مہلت دیجئے اور تمام شہروں میں ہر کارے بھیج دیجئے۔

يَا تُؤْتِكُمْ كُلًّا سَخَابًا عَلِيمٌ (۳۷)

جو آپ کے پاس ذی علم جادو گروں کو لے آئیں

یعنی ان دونوں کو فی الحال اپنے حال پر چھوڑ دو، اور تمام شہروں سے جادو گروں کو جمع کر کے ان کا باہمی مقابلہ کیا جائے تاکہ ان کے کرتب کا جواب اور تیری تائید و نصرت ہو جائے۔ اور یہ اللہ ہی کی طرف سے سب انتظام تھا تاکہ لوگ ایک ہی جگہ جمع ہو جائیں اور دلائل کا بہ چشم خود مشاہدہ کریں، جو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عطا فرمائے تھے۔

فَجُمِعَ السَّحَرَةُ لِمِيقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُومٍ (۳۸)

پھر ایک مقرر دن کے وعدے پر تمام جادو گر جمع کئے گئے

چنانچہ جادو گروں کی ایک بہت بڑی تعداد مصر کے اطراف و جوانب سے جمع کر لی گئی، ان کی تعداد ۱۲ ہزار، ۷ ہزار ۱۹ ہزار، ۳۰ ہزار اور ۸۰ ہزار (مختلف اقوال کے مطابق) بتلائی جاتی ہے۔ اصل تعداد اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ کیونکہ کسی مستند ماخذ میں تعداد کا ذکر نہیں ہے۔ اس کی تفصیلات اس سے قبل سورہ اعراف، سورہ طہ میں بھی گزر چکی ہیں

گویا فرعون کی قوم قبط نے اللہ کے نور کو اپنے مونہوں سے بجھانا چاہا تھا لیکن اللہ تعالیٰ اپنے نور کو پورا کرنا چاہتا تھا چنانچہ کفر و ایمان کے معرکے میں ہمیشہ ایسا ہی ہوتا آیا ہے کہ جب بھی کفر ختم ٹھونک کر ایمان کے مقابلے میں آتا ہے تو ایمان کو اللہ تعالیٰ سرخروئی اور غلبہ عطا فرماتا ہے۔ جس طرح فرمایا:

بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهُ فَإِذَا هُوَ زَاهِقٌ۔ (۲۱:۱۸)

بلکہ ہم سچ کو چھوٹ پر کھینچ مارتے ہیں پس وہ اس کا سر توڑ دیتا ہے اور جھوٹ اسی وقت نابود ہو جاتا ہے۔

وَقِيلَ لِلنَّاسِ هَلْ أَنْتُمْ مُجْتَمِعُونَ (۳۹)

اور عام لوگوں سے بھی کہہ دیا گیا کہ تم بھی مجمع میں حاضر ہو جاؤ گے؟

یعنی عوام کو بھی تاکید کی جا رہی ہے کہ تمہیں بھی یہ معرکہ دیکھنے کے لئے ضرور حاضر ہونا ہے۔

لَعَلَّنَا نَتَّبِعُ السَّحَرَةَ إِنْ كَانُوا هُمُ الْعَالِيِينَ (۴۰)

تاکہ اگر جادو گر غالب آجائیں تو ہم انکی پیروی کریں۔

فَلَمَّا جَاءَ السَّحَرَةُ قَالُوا لِفِرْعَوْنَ أَئِنَّا لَمُنَادُونَكَ وَإِنَّا لَمُتَّعُونَ (۴۱)

جادو گر آکر فرعون سے کہنے لگے کہ اگر ہم جیت گئے تو ہمیں کچھ انعام بھی ملے گا؟

قَالَ نَعَمْ وَإِنِّي أَنتُمْ إِذَا مَنَ الْمُقَرَّبِينَ (۴۲)

فرعون نے کہا ہاں! (بڑی خوشی سے) بلکہ ایسی صورت میں تم میرے خاص درباری بن جاؤ گے۔

قَالَ لَهُمْ مُوسَىٰ أَلْقُوا مَا أَنْتُمْ مُلْقُونَ (۴۳)

موسیٰ نے جادو گروں سے فرمایا جو کچھ تمہیں ڈالنا ہے ڈال دو۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے جادو گروں کو پہلے اپنے کرتب دکھانے کے لئے کہنے میں یہ حکمت معلوم ہوتی ہے کہ ایک تو ان پر یہ واضح ہو جائے کہ اللہ کے پیغمبر اتنی بڑی تعداد میں نامی گرامی جادو گروں کے اجتماع اور ان کی ساحرانہ شعبدہ بازیوں سے خوف زدہ نہیں ہے۔ دوسرا یہ مقصد بھی ہو سکتا ہے کہ جب اللہ کے حکم سے یہ ساری شعبدہ بازیاں آن واحد میں ختم ہو جائیں گی تو دیکھنے والوں پر اس کے اچھے اثرات مرتب ہونگے اور شاید اس طرح زیادہ لوگ اللہ پر ایمان لے آئیں۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا، بلکہ جادو گر ہی سب سے پہلے ایمان لے آئے، جیسا کہ آگے آرہا ہے۔

فَأَلْقُوا أَجْنَابَهُمْ وَعَصِيْبَهُمْ وَقَالُوا ابْعِدْ فِرْعَوْنَ إِنَّهُ لِنَحْنِ الْعَالَمِينَ (۴۴)

انہوں نے اپنی رسیاں اور لائٹھیاں ڈال دیں اور کہنے لگے عزت فرعون کی قسم! ہم یقیناً غالب ہی رہیں گے (۱)

جیسا کہ سورہ اعراف اور طہ میں گزرا کہ ان جادو گروں نے اپنے خیال میں بہت بڑا جادو پیش کیا، سَحَرُوا أَعْيُنَ النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوهُمْ وَجَاءُوا بِسِحْرٍ عَظِيمٍ۔ (۷:۱۱۶) حتیٰ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی اپنے دل میں خوف محسوس کیا، فَأَوْجَسَ فِي نَفْسِهِ خِيفَةً مُّوسَىٰ۔ (۲۰:۶۷)

چنانچہ ان جادو گروں کو اپنی کامیابی اور برتری کا بڑا یقین تھا، جیسا کہ یہاں ان الفاظ سے ظاہر ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تسلی دی کہ گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ ذرا اپنی لائٹھی زمین پر پھینکو اور پھر دیکھو۔ چنانچہ لائٹھی کا زمین پر پھینکنا تھا کہ اس نے ایک خوفناک اژدھا کی شکل اختیار کر لی اور ایک ایک کر کے ان سارے کرتبوں کو نکل گیا۔ جیسا کہ اگلی آیت میں ہے۔

فَأَلْقَىٰ مُوسَىٰ عَصَاهُ فَإِذَا هِيَ كَلْفُ مَائٍ فَأَكُونُ (۴۵)

اب موسیٰ نے بھی اپنی لائٹھی میدان میں ڈال دی جس نے اسی وقت ان کے جھوٹ موٹ کے کرتب کو نکلنا شروع کر دیا۔

فَأَلْقَى السَّحَرَةُ سَاجِدِينَ (۴۶)

یہ دیکھتے ہی جادو گر بے اختیار سجدے میں گر گئے۔

قَالُوا آمَنَّا بِرَبِّ الْعَالَمِينَ (۴۷)

اور انہوں نے صاف کہہ دیا کہ ہم تو اللہ رب العالمین پر ایمان لائے۔

رَبِّ مُوسَىٰ وَهَارُونَ (۳۸)

یعنی موسیٰ اور ہارون کے رب پر۔

قَالَ آمَنْتُمْ لَهُ قَبْلَ أَنْ آذَنَ لَكُمْ^ط

فرعون نے کہا کہ میری اجازت سے پہلے تم اس پر ایمان لے آئے؟

إِنَّهُ لَكَبِيرُكُمْ الَّذِي عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ فَلَسَوْتُمْ تَعْلَمُونَ^ع

یقیناً یہی تمہارا بڑا (سردار) ہے جس نے تم سب کو جادو سکھایا (۱) سو تمہیں ابھی معلوم ہو جائے گا،

فرعون کے لئے یہ واقعہ بڑا عجیب اور نہایت حیرت ناک تھا جن جادو گروں کے ذریعے وہ فتح و غلبہ کی آس لگائے بیٹھا تھا وہی نہ صرف مغلوب ہو گئے بلکہ موقع پر ہی وہ اس رب پر ایمان لے آئے، جس نے حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کو دلائل و معجزات دے کر بھیجا تھا لیکن بجائے اس کے کہ فرعون بھی غور و فکر سے کام لیتا اور ایمان لاتا، اس نے مکابہ اور عناد کا راستہ اختیار کیا اور جادو گروں کو ڈرانا دھمکانا شروع کر دیا اور کہا کہ تم سب اسی کے شاگرد گتے ہو اور تمہارا استاد یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس سازش کے ذریعے سے تم ہمیں یہاں سے بے دخل کر دو۔ اِنَّ هٰذَا الْمَكْرُ مَكْرٌ مُّمُوْهُ فِي الْمَدِيْنَةِ لِتُخْرِجُوْا مِنْهَا اَهْلَهَا۔ (۷۰:۱۲۳)

لَا تَقْطَعْنَ أَيِّدِيْكُمْ وَأَنْزِلْكُمْ مِنْ خِلَافٍ وَلَا صَلِّبَنَّكُمْ أَجْمَعِينَ (۳۹)

قسم ہے میں ابھی تمہارے ہاتھ پاؤں الٹے طور پر کاٹ دوں گا اور تم سب کو سولی پر لٹکا دوں گا۔

الٹے طور پر ہاتھ پاؤں کاٹنے کا مطلب دایاں ہاتھ اور بائیں پیریا بایاں ہاتھ اور دایاں پیر ہے۔ اس پر سولی مستزاد یعنی ہاتھ پیر کاٹنے سے بھی اس کی آتش غضب ٹھنڈی نہ ہوئی مذید اس نے سولی پر لٹکانے کا اعلان کیا۔

قَالُوا الْأَصْدِيْرُ إِنَّآ إِلَىٰ رَبِّنَا مُنْقَلِبُونَ (۵۰)

انہوں نے کہا کوئی حرج نہیں (۱) ہم تو اپنے رب کی طرف لوٹنے والے ہیں ہی۔

لَا صَدِيْرُ۔ کوئی حرج نہیں یا ہمیں کوئی پرواہ نہیں۔

یعنی اب جو سزا چاہے دے لے، ایمان سے نہیں پھر سکتے۔

إِنَّا نَطْمَعُ أَنْ يَغْفِرَ لَنَا رَبُّنَا خَطَايَاَنَا أَنْ كُنَّا أَوَّلَ الْمُؤْمِنِينَ (۵۱)

اس بنا پر کہ ہم سب سے پہلے ایمان والے بنے ہیں (۱) ہمیں امید پڑتی ہے کہ ہمارا رب ہماری سب خطائیں معاف فرمادے گا۔

أَوَّلَ الْمُؤْمِنِينَ اس اعتبار سے کہا کہ فرعون کی قوم مسلمان نہیں ہوئی اور انہوں نے قبول ایمان میں سبقت کی۔

وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ أَنْ أَسْرِ بِعِبَادِيٰ إِلَيْكُمْ مُّتَّبِعُونَ (۵۲)

اور ہم نے موسیٰ کو وحی کی کہ راتوں رات میرے بندوں کو نکال لے چل تم سب پیچھا کئے جاؤ گے

جب مصر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قیام لمبا ہو گیا اور ہر طرح سے انہوں نے فرعون اور اس کے درباریوں پر حجت قائم کر دی۔ لیکن اس کے باوجود وہ ایمان لانے پر تیار نہیں ہوئے، تو اب اس کے سوا کوئی چارہ نہیں رہ گیا تھا کہ انہیں عذاب سے دوچار کر کے سامان عبرت بنا دیا جائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ راتوں رات بنی اسرائیل کو لے کر یہاں سے نکل جائیں، اور فرمایا کہ فرعون تمہارے پیچھے آئے گا، گھبرا کر نہیں۔

فَأَرْسَلَ فِرْعَوْنُ فِي الْمَدَائِنِ حَاشِرِينَ (۵۳)

فرعون نے شہروں میں ہر کاروں کو بھیج دیا۔

إِنَّ هَذَا لَشَرٌّ ذَمَّةً قَلِيلُونَ (۵۴)

کہ یقیناً یہ گروہ بہت ہی کم تعداد میں ہے

یہ بطور تحقیر کے کہا، ورنہ ان کی تعداد چھ لاکھ بتلائی جاتی ہے۔

وَأَنَّهُمْ لَنَا لَعَّائُونَ (۵۵)

اور اس پر یہ ہمیں سخت غضبناک کر رہے ہیں

یعنی میری اجازت کے بغیر ان کا یہاں سے فرار ہونا ہمارے لئے غیظ و غضب کا باعث ہے۔

وَإِنَّا لَجَمِيعٌ حَاذِرُونَ (۵۶)

اور یقیناً ہم بڑی جماعت ہیں ان سے چونکا رہنے والے

اس لیے ان کی اس سازش کو ناکام بنانے کے لیے ہمیں مستعد ہونے کی ضرورت ہے۔

فَأَخْرَجْنَا هُمْ مِنْ جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ (۵۷)

بالآخر ہم نے انہیں باغات سے اور چشموں سے۔

وَكُنُوزٍ وَمَقَامٍ كَرِيمٍ (۵۸)

اور خزانوں سے۔ اور اچھے اچھے مقامات سے نکال باہر کیا

یعنی فرعون اور اس کا لشکر بنی اسرائیل کے تعاقب میں کیا نکلا، کہ پلٹ کر اپنے گھروں اور باغات میں آنا نصیب ہی نہیں ہوا، یوں اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت و مشیت سے انہیں تمام نعمتوں سے محروم کر کے ان کا وارث دوسروں کو بنا دیا۔

كَذَلِكَ وَأَوْفَقْنَاهَا بَنِي إِسْرَائِيلَ (۵۹)

اسی طرح ہو اور ہم نے ان (تمام) چیزوں کا وارث بنی اسرائیل کو بنا دیا

یعنی جو اقتدار اور بادشاہت فرعون کو حاصل تھی، وہ اس سے چھین کر ہم نے بنی اسرائیل کو عطا کر دی۔

بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد مصر جیسا اقتدار اور دنیاوی جاہ جلال ہم نے بنی اسرائیل کو بھی عطا کیا۔ کیونکہ بنی اسرائیل، مصر سے نکل جانے کے بعد مصر واپس نہیں آئے۔

نیز سورہ دخان میں فرمایا کہ 'ہم نے اس کا وارث کسی دوسری قوم کو بنایا'۔ (آیہ القاسم)

اول الذکر اہل علم کہتے ہیں کہ **قوماً آخرین** میں قوم کا لفظ اگرچہ عام ہے لیکن یہاں سورہ شعراء میں جب بنی اسرائیل کو وارث بنانے کی صراحت آگئی ہے تو اس سے مراد بھی قوم بنی اسرائیل ہی ہوگی۔ مگر خود قرآن کی صراحت کے مطابق مصر سے نکلنے کے بعد بنو اسرائیل کو ارض مقدس میں داخل ہونے کا حکم دیا گیا اور ان کے انکار پر چالیس سال کے لیے یہ داخلہ مؤخر کر کے میدان تیبہ میں بھٹکایا گیا پھر وہ ارض مقدس میں داخل ہوئے چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر حدیث اسراء کے مطابق بیت المقدس کے قریب ہی ہے اس لیے صحیح معنی یہی ہے کہ جیسی نعمتیں آل فرعون کو مصر میں حاصل تھیں ویسی ہی نعمتیں اب بنو اسرائیل کو عطا کی گئیں لیکن مصر میں نہیں بلکہ فلسطین میں واللہ اعلم۔

فَأَتَّبَعُوهُمْ مُشْرِقِينَ (۶۰)

پس فرعونی سورج نکلنے ہی ان کے تعاقب میں نکلے

یعنی جب صبح ہوئی اور فرعون کو پتہ چلا کہ نبی اسرائیل راتوں رات یہاں سے نکل گئے، تو اس کے پندار اقتدار کو بڑی ٹھیس پہنچی۔ اور سورج نکلنے ہی ان کے تعاقب میں نکل کھڑا ہوا۔

فَلَمَّا تَرَاءَى الْجُمُعَانَ قَالَ أَصْحَابِ مُوسَى إِنَّا لَمَدْرَكُونَ (۶۱)

پس جب دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھ لیا، تو موسیٰ کے ساتھیوں نے کہا، ہم یقیناً پکڑ لئے گئے

یعنی فرعون کے لشکر کو دیکھتے ہی وہ، گھبرا اٹھے کہ آگے سمندر ہے اور پیچھے فرعون کا لشکر، اب بچاؤ کس طرح ممکن ہے؟ اب دوبارہ وہی فرعون اور اس کی غلامی ہوگی۔

قَالَ كَلَّا إِنَّ مَعِيَ رَبِّي سَيَهْدِينِ (۶۲)

موسیٰ نے کہا، ہرگز نہیں۔ یقین مانو، میرا رب میرے ساتھ ہے جو ضرور مجھے راہ دکھائے گا

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تسلی دی کہ تمہارا اندیشہ صحیح نہیں، اب دوبارہ تم فرعون کی گرفت میں نہیں جاؤ گے۔ میرا رب یقیناً نجات کے راستے کی نشان دہی فرمائے گا۔

فَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ أَنْ اصْبِرْ بِعَصَاكَ الْبَحْرَ فَانفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيمِ (۶۳)

ہم نے موسیٰ کی طرف وحی بھیجی کہ دریا پر اپنی لاٹھی مارو (۱) پس اس وقت دریا پھٹ گیا اور ہر ایک حصہ پانی کا مثل بڑے پہاڑ کے ہو گیا (۲)

۱۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ راہنمائی اور نشان دہی فرمائی کہ اپنی لاٹھی سمندر پر مارو، جس سے دائیں طرف کا پانی دائیں طرف اور بائیں طرف کا پانی بائیں طرف رک گیا اور دونوں کے بیچ راستہ بن گیا کہا جاتا ہے کہ بارہ قبیلوں کے حساب سے بارہ راستے بن گئے تھے واللہ عالم۔
۲۔ **فِرْقٍ قَطَعَهُ بَحْرٌ**، سمندر کا حصہ

طُورٍ پہاڑ۔

یعنی پانی کا ہر حصہ بڑے پہاڑ کی طرح کھڑا ہو گیا یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے معجزے کا صدور ہوا تاکہ موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم فرعون سے نجات پالے اس تائید الہی کے بغیر فرعون سے نجات ممکن نہیں تھی۔

وَأَرْزَلْنَا كَذِبَ الْآخَرِينَ (۶۴)

اور ہم نے اسی جگہ دوسروں کو نزدیک لاکھڑا کر دیا۔

اس سے مراد فرعون اور اس کا لشکر ہے یعنی ہم نے دوسروں کو سمندر کے قریب کر دیا۔

وَأَنْجَيْنَاهُ مَوْسَىٰ وَمَنْ مَعَهُ أَجْمَعِينَ (۶۵)

اور موسیٰ علیہ السلام اور ان پر ایمان لانے والوں کو ہم نے نجات دی۔

ثُمَّ أَغْرَقْنَا الْآخَرِينَ (۶۶)

پھر اور سب دوسروں کو ڈبو دیا

موسیٰ علیہ السلام اور ان پر ایمان لانے والوں کو ہم نے نجات دی اور فرعون اور اس کا لشکر جب انہی راستوں سے گزرنے لگا تو ہم نے سمندر کو دوبارہ حسب دستور رواں کر دیا، جس سے فرعون اپنے لشکر سمیت غرق ہو گیا۔

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّمَنْ كَانَ أَكْفَرُهُمْ مُّؤْمِنِينَ (۶۷)

یقیناً اس میں بڑی عبرت ہے اور ان میں کے اکثر لوگ ایمان والے نہیں

یعنی اگرچہ اس واقعہ میں، جو اللہ کی نصرت و معاونت کا واضح مظہر ہے، بڑی نشانی ہے لیکن اس کے باوجود اکثر لوگ ایمان لانے والے نہیں۔

وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ (۶۸)

اور بیشک آپ کا رب بڑا ہی غالب و مہربان ہے۔

وَأَتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ إِبْرَاهِيمَ (۶۹)

انہیں ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ بھی سنا دو۔

إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ مَا تَعْبُدُونَ (۷۰)

جبکہ انہوں نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے فرمایا کہ تم کس کی عبادت کرتے ہو؟

قَالُوا اتَّعَبُوا صَبْرًا فَتَنَّا لَهُمَا عَاكِفِينَ (۷۱)

انہوں نے جواب دیا کہ عبادت کرتے ہیں بتوں کی، ہم تو براہران کے مجاور بنے بیٹھے ہیں

یعنی رات دن ان کی عبادت کرتے ہیں۔

قَالَ هَلْ يَسْمَعُونَكُمْ إِذْ تَدْعُونَ (۷۲)

آپ نے فرمایا کہ جب تم انہیں پکارتے ہو تو کیا وہ سنتے بھی ہیں؟

أَوْ يَنْفَعُونَكُمْ أَوْ يَضُرُّونَ (۷۳)

یا تمہیں نفع نقصان بھی پہنچا سکتے ہیں۔

یعنی اگر تم ان کی عبادت ترک کر دو تو کیا وہ تمہیں نقصان پہنچاتے ہیں؟

قَالُوا بَلْ وَجَدْنَا آبَاءَنَا كَذَلِكَ يَفْعَلُونَ (۷۴)

انہوں نے کہا یہ (ہم کچھ نہیں جانتے) ہم نے تو اپنے باپ دادوں کو اسی طرح کرتے پایا

جب وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سوال کا کوئی معقول جواب نہیں دے سکے تو یہ کہہ کر چھٹکارا حاصل کر لیا۔ کہ ہمارے آباؤ اجداد سے یہی کچھ ہوتا آرہا ہے، ہم اسے نہیں چھوڑ سکتے۔

قَالَ أَفَرَأَيْتُمْ مَا كُنْتُمْ تَعْبُدُونَ (۷۵)

آپ نے فرمایا کچھ خبر بھی ہے (۱) جنہیں تم پوج رہے ہو؟

أَفَرَأَيْتُمْ کے معنی ہیں کیا تم نے غور و فکر کیا؟

أَنْتُمْ وَآبَاؤُكُمْ الْأَقْدَمُونَ (۷۶)

تم اور تمہارے اگلے باپ دادا،

فَأَنهَؤْكُمْ عَذَابِي الْإِلَهَاتِ الْعَالَمِينَ (۷۷)

وہ سب میرے دشمن ہیں (۱)۔ بجز سچے اللہ تعالیٰ کے جو تمام جہان کا پالنے والا ہے (۲)

۱۔ اس لئے کہ تم سب اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کی عبادت کرنے والے ہو۔

بعض نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ جن کی تم اور تمہارے باپ دادا عبادت کرتے رہے ہیں، وہ سب معبود میرے دشمن ہیں یعنی ان سے بیزار ہوں۔

۲۔ یعنی وہ دشمن نہیں، بلکہ وہ تو دنیا و آخرت میں میرا اولیٰ اور دوست ہے۔

الَّذِي خَلَقَنِي فَهُوَ يَهْدِينِ (۷۸)

جس نے مجھے پیدا کیا ہے اور وہی میری رہبری فرماتا ہے

یعنی دین اور دنیا کے مصالح اور منافع کی طرف۔

وَالَّذِي هُوَ يُطْعِمُنِي وَيَسْقِينِ (۷۹)

وہی مجھے کھلاتا پلاتا ہے

یعنی بہت سے اقسام کے رزق پیدا کرنے والا اور جو پانی ہم پیتے ہیں، اسے مہیا کرنے والا وہی اللہ ہے

وَإِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِينِ (۸۰)

اور جب میں بیمار پڑ جاؤں تو مجھے شفا عطا فرماتا ہے

بیماری کو دور کرنے کے شفا عطا کرنے والا بھی وہی ہے یعنی دواؤں میں شفا کی تاثیر بھی اسی کے حکم سے ہوتی ہے۔ ورنہ دوائیں بھی بے اثر ثابت ہوتی ہیں۔

بیماری بھی اگرچہ اللہ کے حکم اور مشیت سے ہی آتی ہے لیکن اس کی نسبت اللہ کی طرف نہیں کی بلکہ اپنی طرف کی یہ گویا اللہ کے ذکر میں اس کے ادب و احترام کے پہلو کو ملحوظ رکھا۔

وَالَّذِي يُمَيِّتُنِي ثُمَّ يُحْيِينِ (۸۱)

اور وہی مجھے مار ڈالے گا پھر زندہ کر دے گا

یعنی قیامت والے دن جب سارے لوگوں کو زندہ فرمائے گا، مجھے بھی زندہ کرے گا۔

وَالَّذِي أَطْمَعُ أَنْ يَغْفِرَ لِي خَطِيئَتِي يَوْمَ الدِّينِ (۸۲)

اور جس سے امید بندھی ہوئی ہے کہ وہ روز جزا میں میرے گناہوں کو بخش دے گا

یہاں امید، یقین کے معنی میں ہے۔ کیونکہ کسی بڑی شخصیت سے امید، یقین کے مترادف ہی ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ تو کائنات کی سب سے بڑی ہستی ہے، اس سے وابستہ امید، یقینی کیوں نہیں ہوگی اسی لئے مفسرین کہتے ہیں کہ قرآن میں جہاں بھی اللہ کے لئے عَسَىٰ کا لفظ استعمال ہوا ہے وہ یقین ہی کے مفہوم میں ہے۔

خَطِيئَتِي، خطیئۃ واحد کا صیغہ ہے لیکن خطایا جمع کے معنی میں ہے انبیاء علیہم السلام اگرچہ معصوم ہوتے ہیں اس لیے ان سے کسی بڑے گناہ کا صدور ممکن نہیں پھر بھی اپنے بعض افعال کو کوتاہی پر محمول کرتے ہوئے بارگاہ الہی میں عفو و طلب ہوں گے۔

رَبِّ هَبْ لِي حُكْمًا وَأَلْحِقْنِي بِالصَّالِحِينَ (۸۳)

اے میرے رب! مجھے قوت فیصلہ (۱) عطا فرما اور مجھے نیک لوگوں میں ملا دے۔

حکم یا حکمت سے مراد علم و فہم، قوت فیصلہ، یانہوت و رسالت یا اللہ کے حدود و احکام کی معرفت ہے۔

وَأَجْعَلْ لِي لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْآخِرِينَ (۸۴)

اور میرا ذکر خیر پچھلے لوگوں میں بھی باقی رکھ

یعنی جو لوگ میرے بعد قیامت تک آئیں گے، وہ میرا ذکر اچھے لفظوں میں کرتے رہیں،

اس سے معلوم ہوا کہ نیکوں کی جزا اللہ تعالیٰ دنیا میں ذکر جمیل اور ثنائے حسن کی صورت میں بھی عطا فرماتا ہے۔ جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر خیر ہر مذہب کے لوگ کرتے ہیں، کسی کو بھی ان کی عظمت و تکریم سے انکار نہیں ہے۔

وَأَجْعَلْنِي مِنْ وَرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِيمِ (۸۵)

مجھے نعمتوں والی جنت کے وارثوں میں سے بنا دے۔

وَاعْفُرْ لِي إِنِّي كَانُ مِنَ الضَّالِّينَ (۸۶)

اور میرے باپ کو بخش دے یقیناً وہ گمراہوں میں سے تھا

یہ دعا اس وقت کی تھی، جب ان پر واضح نہیں تھا کہ مشرک (اللہ کے دشمن) کے لئے دعائے مغفرت جائز نہیں، جب اللہ نے واضح کر دیا، تو انہوں نے اپنے باپ سے بیزاری کا اظہار کر دی (التوبہ۔ ۱۱۴)

وَلَا تُخْزِنِي يَوْمَ يُبْعَثُونَ (۸۷)

اور جس دن کہ لوگ دوبارہ جلانے جائیں مجھے رسوا نہ کر

یعنی تمام مخلوق کے سامنے میرا مواخذہ کر کے یا عذاب سے دوچار کر کے

حدیث میں آتا ہے:

قیامت والے دن، جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے والد کو برے حال میں دیکھیں گے، تو ایک مرتبہ پھر اللہ کی بارگاہ میں ان کے لئے مغفرت کی درخواست کریں گے اور فرمائیں گے یا اللہ! اس سے زیادہ میرے لئے رسوائی اور کیا ہوگی؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میں نے جنت کافروں پر حرام کر دی ہے۔ پھر ان کے باپ کو نجاست میں لتھڑے ہوئے بچو کی شکل میں جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ (صحیح بخاری)

يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَلَا بَنُونَ (۸۸)

جس دن کہ مال اور اولاد کچھ کام نہ آئے گی۔

إِلَّا مَنْ أَتَى اللَّهَ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ (۸۹)

لیکن فائدہ والا وہی ہو گا جو اللہ تعالیٰ کے سامنے بے عیب دل لے کر جائے

قلب سلیم یا بے عیب دل سے مراد وہ دل ہے جو شرک سے پاک ہو۔ یعنی کلب مؤمن۔ اس لئے کافر اور منافق کا دل مریض ہوتا ہے۔ بعض کہتے ہیں، بدعت سے خالی اور سنت پر مطمئن دل،

بعض کے نزدیک دنیا کے مال متاع کی محبت سے پاک دل اور بعض کے نزدیک، جہالت کی تاریکیوں اور اخلاقی ذلتوں سے پاک دل۔ یہ سارے مفہوم بھی صحیح ہو سکتے ہیں۔ اس لئے کہ قلب مؤمن مذکورہ تمام برائیوں سے پاک ہوتا ہے۔

وَأُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِينَ (۹۰)

اور پرہیزگاروں کے لئے جنت بالکل نزدیک لادی جائے گی۔

وَبُورَّتِ الْجَحِيمُ لِلْعَاوِينَ (۹۱)

اور گمراہ لوگوں کے لئے جہنم ظاہر کر دی جائے گی

مطلب یہ ہے کہ جنت اور دوزخ میں داخل ہونے سے پہلے ان کو سامنے کر دیا جائے گا۔ جس سے کافروں کے غم میں اور اہل ایمان کے سرور میں مزید اضافہ ہو جائے گا۔

وَقِيلَ لَهُمْ أَأَيْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْبُدُونَ (۹۲)

اور ان سے پوچھا جائے گا کہ جن کی تم پوجا کرتے رہے وہ کہاں ہیں؟

مِنْ دُونِ اللَّهِ هَلْ يَنْصُرُونَكُمْ أَوْ يَنْتَصِرُونَ (۹۳)

جو اللہ تعالیٰ کے سوا تھے، کیا وہ تمہاری مدد کرتے ہیں؟ یا کوئی بدلہ لے سکتے ہیں

یعنی تم سے عذاب ٹال دیں یا خود اپنے نفس کو اس سے بچالیں۔

فَكُفِّبُوا فِيهَا هُمْ وَالْعَاوُونَ (۹۴)

پس وہ سب اور کل گمراہ لوگ جہنم میں اوندھے منہ ڈال دیئے جائیں گے۔

یعنی معبودین اور عابدین سب کو مال ڈنگر کی طرح ایک دوسرے کے اوپر ڈال دیا جائے گا۔

وَجُنُودٌ إِبْلِيسَ أَجْمَعُونَ (۹۵)

اور ابلیس کے تمام لشکر (۱) بھی وہاں۔

اس سے مراد وہ لشکر ہیں جو لوگوں کو گمراہ کرتے تھے۔

قَالُوا هُمْ فِيهَا يَخْتَصِمُونَ (۹۶)

آپس میں لڑتے جھگڑتے ہوئے کہیں گے۔

تَاللَّهِ إِنَّ كُنَّا لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ (۹۷)

کہ قسم اللہ کی! یقیناً ہم تو کھلی غلطی پر تھے۔

إِذْ نُسَوِّبُكُمْ بِرَبِّ الْعَالَمِينَ (۹۸)

جبکہ تمہیں رب العالمین کے برابر سمجھ بیٹھے تھے

دنیا میں تو ہر تراشا ہوا پتھر اور، مشرکوں کو خدائی اختیارات کا حامل نظر آتا ہے۔ لیکن قیامت کو پتہ چلے گا کہ یہ کھلی گمراہی تھی کہ وہ انہیں رب کے برابر سمجھتے رہے۔

وَمَا أَصَلْنَا إِلَّا الْمُجْرِمُونَ (۹۹)

اور ہمیں تو سوا ان بدکاروں کے کسی اور نے گمراہ نہیں کیا تھا

یعنی وہاں جا کر احساس ہو گا کہ ہمیں دوسرے مجرموں نے گمراہ کیا۔

دنیا میں انہیں متوجہ کیا جاتا ہے کہ فلاں فلاں کام گمراہی ہے۔ بدعت ہے شرک ہے تو نہیں مانتے نہ غور و فکر سے کام لیتے ہیں کہ حق و باطل ان پر واضح ہو سکے۔

فَمَا لَنَا مِنْ شَافِعِينَ (۱۰۰)

اب تو ہمارا کوئی سفارشی بھی نہیں۔

وَلَا صِدِّيقٍ حَمِيمٍ (۱۰۱)

اور نہ کوئی (سچا) غم خوار دوست۔

گناہ گار اہل ایمان کی سفارش تو اللہ کی اجازت کے بعد انبیاء صلحاء بالخصوص حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیں گے۔ لیکن کافروں اور مشرکوں کے لئے سفارش کرنے کی کسی کو اجازت ہو گی نہ حوصلہ، اور نہ وہاں کوئی دوستی ہی کام آئے گی۔

فَلَوْ أَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَكُونُ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ (۱۰۲)

اگر کاش کہ ہمیں ایک مرتبہ پھر جانا ملتا تو ہم کپکپے سچے مؤمن بن جاتے۔

اہل کفر و شرک، قیامت کے روز دوبارہ دنیا میں آنے کی آرزو کریں گے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کر کے اللہ کو خوش کر لیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پر فرمایا ہے کہ اگر انہیں دوبارہ بھی دنیا میں بھیج دیا جائے تو وہی کچھ کریں گے جو پہلے کرتے رہے تھے۔

إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُؤْمِنِينَ (۱۰۳)

یہ ماجرہ یقیناً آپ کے لئے ایک زبردست نشانی ہے (۱) ان میں اکثر لوگ ایمان لانے والے نہیں (۲)

۱۔ یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بتوں کے بارے میں اپنی قوم سے مناظرہ اللہ کی توحید کے دلائل، یہ اس بات کی واضح نشانی ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔

۲۔ بعض نے اس مرجع مشرکین مکہ یعنی قریش کو قرار دیا ہے یعنی ان کی اکثریت ایمان لانے والی نہیں۔

وَإِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ (۱۰۴)

یقیناً آپ کا پروردگار ہی غالب مہربان ہے۔

كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوحٍ الْمُرْسَلِينَ (۱۰۵)

قوم نوح نے بھی نبیوں کو جھٹلایا

قوم نوح علیہ السلام نے اگرچہ صرف اپنے پیغمبر حضرت نوح علیہ السلام کی تکذیب کی تھی۔ مگر چونکہ ایک نبی کی تکذیب، تمام نبیوں کی تکذیب کے مترادف ہے۔ اس لئے فرمایا کہ قوم نوح علیہ السلام نے پیغمبروں کو جھٹلایا۔

إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ نُوحٌ أَلَا تَتَّقُونَ (۱۰۶)

جبکہ ان کے بھائی (۱) نوحؑ نے کہا کہ کیا تمہیں اللہ کا خوف نہیں!

بھائی اس لئے کہا کہ حضرت نوح علیہ السلام ان ہی کی قوم کے ایک فرد تھے۔

إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ (۱۰۷)

سنو! میں تمہاری طرف اللہ کا ایماندار رسول ہوں

یعنی اللہ نے جو پیغام دے کر مجھے بھیجا ہے، وہ بلا کم و کاست تم تک پہنچانے والا ہوں، اس میں کمی بیشی نہیں کرتا۔

فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا (۱۰۸)

تمہیں اللہ سے ڈرنا چاہیے اور میری بات ماننی چاہیے

یعنی میں تمہیں جو ایمان باللہ اور شرک نہ کرنے کی دعوت دے رہا ہوں، اس میں میری اطاعت کرو۔

وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِي إِلَّا عَلَىٰ رَبِّ الْعَالَمِينَ (۱۰۹)

میں تم سے اس پر کوئی اجر نہیں چاہتا، میرا بدلہ تو صرف رب العالمین کے ہاں ہے

میں تمہیں جو تبلیغ کر رہا ہوں، اس کا کوئی اجر تم سے نہیں مانگتا، بلکہ اس کا اجر رب العالمین ہی کے ذمے ہے جو قیامت کو عطا فرمائے گا۔

فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا (۱۱۰)

پس تم اللہ کا خوف رکھو اور میری فرمانبرداری کرو

یہ تاکید کے طور پر بھی ہے اور الگ الگ سبب کی بنا پر بھی، پہلے اطاعت کی دعوت، امانت داری کی بنیاد پر تھی اور اب یہ دعوت اطاعت عدم طمع کی وجہ سے ہے۔

قَالُوا أَنْتُمْ مِنْ لَدُنَّا وَأَنْتُمْ مِنَ الْمَرْدُودِينَ (۱۱۱)

قوم نے جواب دیا کہ ہم تجھ پر ایمان لائیں! تیری تابعداری تو ذلیل لوگوں نے کی ہے۔

الْكَرْدَلُونَ، امڈل کی جمع ہے،

جاہ و مال رکھنے والے، اور اس کی وجہ سے معاشرے میں کمتر سمجھے جانے والے اور ان ہی میں وہ لوگ بھی آجاتے ہیں جو حقیر سمجھے جانے والے پیشوں سے تعلق رکھتے ہیں

قَالَ وَمَا عَلَّمِيٰ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ (۱۱۲)

آپ نے فرمایا! مجھے کیا خبر کہ وہ پہلے کیا کرتے رہے؟

یعنی مجھے اس بات کا ذمہ دار نہیں ٹھہرایا گیا ہے کہ میں لوگوں کے حسب نسب، امارت و غربت اور ان کے پیشوں کی تفتیش کروں بلکہ میری ذمہ داری صرف یہ ہے کہ ایمان کی دعوت دوں اور جو اسے قبول کر لے، چاہے وہ کسی حیثیت کا حامل ہو اسے اپنی جماعت میں شامل کر لوں۔

إِنْ حَسَبْتَهُمْ إِلَّا عَلَىٰ رَبِّي لَو تَشْعُرُونَ (۱۱۳)

ان کا حساب تو میرے رب کے ذمہ (۱) ہے اگر تمہیں شعور ہو تو۔

یعنی ان کے ضمیروں اور اعمال کی تفتیش یہ اللہ کا کام ہے۔

وَمَا أَنَا بِطَارِدِ الْمُؤْمِنِينَ (۱۱۴)

میں ایمان داروں کو دھکے دینے والا نہیں

یہ ان کی اس خواہش کا جواب ہے کہ کمتر حیثیت کے لوگوں کو اپنے سے دور کر دے، پھر ہم تیری جماعت میں شامل ہو جائیں گے۔

إِنَّا أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ مُّبِينٌ (۱۱۵)

میں تو صاف طور پر ڈر دینے والا ہوں

پس جو اللہ سے ڈر کر میری اطاعت کرے گا، وہ میرا ہے اور میں اس کا ہوں، چاہے دنیا کی نظر میں وہ شریف ہو یا ذلیل، کمینہ ہو یا حقیر۔

قَالُوا لَئِن لَّمْ تَنْتَهِ يَا نُوحُ لَتَكُونَنَّ مِنَ الْمَرْجُومِينَ (۱۱۶)

انہوں نے کہا کہ اے نوح! اگر تو باز نہ آیا تو یقیناً تجھے سنگسار کر دیا جائے گا۔

قَالَ رَبِّ إِنَّ قَوْمِي كَذَّابُونَ (۱۱۷)

آپ نے کہا اے میرے پروردگار! میری قوم نے مجھے جھٹلایا۔

فَأَفْتَحْ يَبْنَبي وَبَيْنَهُمْ فَتْحًا وَنَجِّنِي وَمَنْ مَعِيَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ (۱۱۸)

پس تو مجھ میں اور ان میں کوئی قطعی فیصلہ کر دے اور مجھے اور میرے باایمان ساتھیوں کو نجات دے۔

فَأَنْجِنَاكَ وَمَنْ مَعَهُ فِي الْفَلَكِ الْمَشْحُونِ (۱۱۹)

چنانچہ ہم نے اسے اور اس کے ساتھیوں کو بھری ہوئی کشتی میں (سوار کر کر) نجات دے دی۔

ثُمَّ أَخَّرْنَا بَعْدُ الْبَاقِينَ (۱۲۰)

بعد ازاں باقی تمام لوگوں کو ڈبو دیا

یہ تفصیلات کچھ پہلے بھی گزر چکی ہیں اور کچھ آئندہ بھی آئیں گی کہ حضرت نوح علیہ السلام کی ساڑھے نو سو سالہ تبلیغ کے باوجود ان کی قوم کے لوگ بد اخلاقی اور اعراض پر قائم رہے، بالآخر حضرت نوح علیہ السلام نے بد دعا کی، اللہ تعالیٰ نے کشتی بنانے کا اور اس میں مؤمن انسانوں، جانوروں اور ضروری ساز و سامان رکھنے کا حکم دیا اور یوں اہل ایمان کو بچا لیا گیا اور باقی سب لوگوں کو حتیٰ کہ بیوی اور بیٹے کو بھی، جو ایمان نہیں لائے تھے، غرق کر دیا گیا۔

إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً وَمَا كَانَ أَكْفَرَهُمْ مِّمَّنْ مِّنْهُمْ (۱۲۱)

یقیناً اس میں بہت بڑی عبرت ہے۔ ان میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے تھے بھی نہیں۔

وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ (۱۲۲)

اور بیشک آپ کا پروردگار البتہ وہی ہے زبردست رحم کرنے والا۔

كَذَّبَتْ عَادٌ الْمُرْسَلِينَ (۱۲۳)

عادیوں نے بھی رسولوں کو جھٹلایا

عاد، ان کے جد اعلیٰ کا نام تھا، جس کے نام پر قوم کا نام پڑ گیا۔ یہاں عاد قبیلہ تصور کر کے کَذَّبَتْ (صیغہ مؤنث) لایا گیا ہے۔

إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ هُودٌ أَلَا تَتَّقُونَ (۱۲۴)

جبکہ ان سے ان کے بھائی ہود (۱) نے کہا کہ کیا تم ڈرتے نہیں؟

ہود علیہ السلام کو بھی عاد کا بھائی اس لئے کہا گیا ہے کہ ہر نبی اسی قوم کا ایک فرد ہوتا ہے، جس کی طرف سے مبعوث کیا جاتا تھا اور اسی اعتبار سے انہیں اس قوم کا بھائی قرار دیا گیا۔ جیسا کہ آگے بھی آئے گا اور انبیاء و رسل کی یہ بشریت بھی ان کی قوموں کے ایمان لانے میں رکاوٹ بنی رہی ہے ان کا خیال تھا کہ نبی کو بشر نہیں، مافوق البشر ہونا چاہیے۔

آج بھی اس مسلمہ حقیقت سے بے خبر لوگ پیغمبر اسلام حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مافوق البشر باور کرنے پر تلے رہتے ہیں حالانکہ وہ بھی خاندان قریش کے ایک فرد تھے جن کی طرف اولاً ان کو پیغمبر بنا کر بھیجا گیا تھا۔

إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ (۱۲۵)

میں تمہارا امانتدار پیغمبر ہوں۔

فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا (۱۲۶)

پس اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو!۔

وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَىٰ رَبِّ الْعَالَمِينَ (۱۲۷)

میں اس پر تم سے کوئی اجرت طلب نہیں کرتا، میرا ثواب تو تمام جہان کے پروردگار کے ہی پاس ہے۔

أَتَّبِعُونَ بَيْتًا يَأْتِيهِ رِيحٌ مُّبَارَكَةٌ آيَةٌ لِّتَعْبَثُونَ (۱۲۸)

کیا تم ایک ایک ٹیلے پر بطور کھیل تماشاہ یادگار (عمارت) بنا رہے ہو۔

ریح، ریعۃ، کی جمع ہے۔ ٹیلہ، بلند جگہ، پہاڑ، درہ یا گھاٹی یہ ان گزرگاہوں پر کوئی عمارت تعمیر کرتے جو بلندی پر ایک نشانی مشہور ہوتی۔ لیکن اس کا مقصد اس میں رہنا نہیں ہوتا بلکہ صرف کھیل کود ہوتا تھا۔

حضرت ہود علیہ السلام نے منع فرمایا کہ یہ تم ایسا کام کرتے ہو، جس میں وقت اور وسائل کا بھی ضیاع ہے اور اس کا مقصد بھی ایسا ہے جس سے دین اور دنیا کا کوئی مفاد وابستہ نہیں بلکہ صرف کھیل کود ہوتا ہے بیکار محض بے فائدہ ہونے میں کوئی شک نہیں۔

وَتَتَّخِذُونَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُونَ (۱۲۹)

اور بڑی صنعت والے (مضبوط محل تعمیر) کر رہے ہو، گویا کہ تم ہمیشہ یہیں رہو گے

اسی طرح وہ بڑی مضبوط اور عالی شان رہائشی عمارتیں تعمیر کرتے تھے، جیسے وہ ہمیشہ انہی محلات میں رہیں گے۔

وَإِذَا بَطِشْتُمْ بَطِشْتُمْ جَبَابِرِينَ (۱۳۰)

اور جب کسی پر ہاتھ ڈالتے ہو تو سختی اور ظلم سے پکڑتے ہو

یہ ان کے ظلم و تشدد اور قوت و طاقت کی طرف اشارہ ہے۔

فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا (۱۳۱)

اللہ سے ڈرو اور میری بیروی کرو

جب ان کے اوصاف قبیحہ بیان کیئے جو ان کے دنیا میں انہماک اور ظلم و سرکشی پر دلالت کرتے ہیں تو پھر انہیں دوبارہ تقویٰ اور اپنی اطاعت کی دعوت دی۔

وَاتَّقُوا الَّذِي أَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُونَ (۱۳۲)

اس سے ڈرو جس نے ان چیزوں سے تمہاری امداد کی جنہیں تم نہیں جانتے۔

أَمَدَّكُمْ بِأَنْعَامٍ وَبَيْنِينَ (۱۳۳)

اس نے تمہاری مدد کی مال سے اور اولاد سے۔

وَجَنَائِدٍ وَعُجْبُونَ (۱۳۴)

بانغات اور چشموں سے۔

إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ (۱۳۵)

مجھے تو تمہاری نسبت بڑے دن کے عذاب کا اندیشہ ہے۔

یعنی اگر تم نے اپنے کفر پر اصرار جاری رکھا اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں جو نعمتیں عطا فرمائی ہیں، ان کا شکر ادا نہ کیا، تو تم عذاب الہی کے مستحق قرار پا جاؤ گے۔ یہ عذاب دنیا میں بھی آسکتا ہے اور آخرت تو ہے ہی عذاب و ثواب کے لئے۔ وہاں تو عذاب سے چھٹکارا ممکن ہی نہیں ہو گا۔

قَالُوا سَوَاءٌ عَلَيْنَا أَوَعَضْتُمُ أَمْ لَمْ تَكُنْ مِنَ الْوَاعِظِينَ (۱۳۶)

انہوں نے کہا کہ آپ وعظ کہیں یا وعظ کہنے والوں میں نہ ہوں ہم یکساں ہیں۔

إِنَّ هَذَا إِلَّا خُلُقُ الْأَوَّلِينَ (۱۳۷)

یہ تو بس پرانے لوگوں کی عادت ہے

یعنی وہی باتیں ہیں جو پہلے بھی لوگ کرتے آئے ہیں

یاد یہ مطلب ہے کہ ہم جس دین اور عادات و روایات پر قائم ہیں، وہ وہی ہیں جن پر ہمارے آباء و اجداد کا ر بندر ہے، مطلب دونوں سورتوں میں یہ ہے کہ ہم آبائی مذہب کو نہیں چھوڑ سکتے۔

وَمَا نَحْنُ بِمُعَدِّلِينَ (۱۳۸)

اور ہم ہرگز عذاب نہیں دیئے جائیں گے

جب انہوں نے اس امر کا اظہار کیا کہ ہم تو اپنا آبائی دین نہیں چھوڑیں گے، تو اس میں عقیدہ آخرت کا انکار بھی تھا۔ اس لئے انہوں نے عذاب میں مبتلا ہونے کا بھی انکار کیا۔ کیونکہ عذاب الہی کا اندیشہ تو اسے ہوتا ہے جو اللہ کو ماننا اور روز جزا کو تسلیم کرتا ہے۔

فَكَذَّبُوا فَاهَلَكْنَاهُمْ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُؤْمِنِينَ (۱۳۹)

چونکہ عادیوں نے حضرت ہود کو جھٹلایا، اس لئے ہم نے انہیں تباہ کر دیا (۱) یقیناً اس میں نشانی ہے اور ان میں سے اکثر بے ایمان تھے۔

قوم عاد، دنیا کی مضبوط ترین اور قوی ترین قوم تھی، جس کی بابت اللہ نے فرمایا:

الْبَيْعُ لَمْ يَخْلُقْ مِثْلَهَا فِي الْبِلَادِ

اس جیسی قوم پیدا ہی نہیں کی گئی

یعنی جو قوت اور شدت و جبروت میں اس جیسی ہو۔ اس لئے قوم عاد یہ کہا کرتی تھی:

مَنْ أَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً (۴۱:۱۵)

کون قوت میں ہم سے زیادہ ہے

لیکن جب اس قوم نے بھی کفر کا راستہ چھوڑ کر ایمان و تقویٰ اختیار نہیں کیا تو اللہ تعالیٰ نے سخت ہوا کی صورت میں ان پر عذاب فرمایا جو مکمل سات راتیں اور آٹھ دن ان پر مسلط رہا۔

باد تند آتی اور آدمی کو اٹھا کر فضا میں بلند کرتی اور پھر زور سے سر کے بل زمین پر پٹختی دیتی۔ جس سے اس کا دماغ پھٹ اور ٹوٹ جاتا اور بغیر سر کے ان کے لاشے اس طرح زمین پر پڑے ہوتے گویا وہ کھجور کے کھوکھلے تے ہیں۔

انہوں نے پہاڑوں، کھوؤں اور غاروں میں بڑی بڑی مضبوط عمارتیں بنا رکھی تھیں۔ پینے کے لئے گہرے کنوئیں کھود رکھے تھے، باغات کی کثرت تھی۔ لیکن جب اللہ کا عذاب آیا تو کوئی چیز ان کے کام نہ آئی اور انہیں صفحہ ہستی سے مٹا کر رکھ دیا گیا۔

وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ (۱۴۰)

بیشک آپ کا رب وہی ہے غالب مہربان۔

كَذَّبَتْ ثَمُودُ بِطَمُورٍ مُّسَلِّينَ (۱۴۱)

ثمودیوں (۱) نے بھی پیغمبروں کو جھٹلایا۔

ثمود کا مسکن حضر تھا جو حجاز کے شمال میں ہے، آج کل اسے مدائن صالح کہتے ہیں۔ (المیر القاسمیر)
یہ عرب تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تبوک جاتے ہوئے ان بستیوں سے گزر کر گئے تھے، جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ صَالِحٌ أَلَا تَتَّقُونَ (۱۴۲)

ان کے بھائی صالح نے فرمایا کہ کیا تم اللہ سے نہیں ڈرتے؟

إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ (۱۴۳)

میں تمہاری طرف اللہ کا امانت دار پیغمبر ہوں۔

فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا (۱۴۴)

تو تم اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو۔

وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى رَبِّ الْعَالَمِينَ (۱۴۵)

میں اس پر تم سے کوئی اجرت نہیں مانگتا، میری اجرت تو بس پروردگار عالم پر ہی ہے۔

أَتُنذِرُ كُونَ فِي مَا هَاهُنَا آمِنِينَ (۱۴۶)

کیا ان چیزوں جو یہاں ہیں تم امن کے ساتھ چھوڑ دیئے جاؤ گے

یعنی یہ نعمتیں کیا تمہیں ہمیشہ حاصل رہیں گی، نہ تمہیں موت آئے گی نہ عذاب؟

استفہام انکاری اور توبیخنی ہے یعنی ایسا نہیں ہو گا بلکہ عذاب یا موت کے ذریعے سے، جب اللہ چاہے گا، تم ان نعمتوں سے محروم ہو جاؤ گے اس میں ترغیب ہے کہ اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرو اور اس پر ایمان لاؤ اور اگر ایمان و شکر کا راستہ اختیار نہیں کیا تو پھر تباہی و بربادی تمہارا مقدر

ہے۔

فِي جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ (۱۳۷)

یعنی ان باغوں اور ان چشموں۔

وَزُرُوعٍ وَنَخْلٍ طَلْعُهَا هَضِيمٌ (۱۳۸)

اور ان کھیتوں اور ان کھجوروں کے باغوں میں جن کے شگوفے نرم و نازک ہیں۔

یہ ان نعمتوں کی تفصیل ہے جن سے وہ بہرہ ور تھے،

طَلْع، کھجور کے اس شگوفے کو کہتے ہیں جو پہلے پہل نکلتا یعنی طلوع ہوتا ہے، اس کے بعد کھجور کا یہ پھل بلج، پھر بسر، پھر رتب اور اس کے بعد تمر کہلاتا ہے۔ (ایسر التفاسر)

باغات میں دیگر پھلوں کے ساتھ کھجور کا پھل بھی آجاتا ہے لیکن عربوں میں چونکہ کھجور کی بڑی اہمیت ہے اس لیے اس کا خصوصی طور پر بھی ذکر کیا

هَضِيمٌ کے اور بھی کئی معانی بیان کیے گئے ہیں مثلاً لطیف اور نرم و نازک۔ تہہ بہ تہہ وغیرہ

وَتَنْحِتُونَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوتًا قَارِئِينَ (۱۳۹)

اور تم پہاڑوں کو تراش تراش کر پر تکلف مکانات بنا رہے ہو

قَارِئِينَ یعنی ضرورت سے زیادہ فنکارانہ مہارت کا مظاہرہ کرتے ہوئے یا فخر و غرور کرتے ہوئے، جیسے آجکل لوگوں کا حال ہے۔

آج بھی عمارتوں پر غیر ضروری آرائشوں اور فنکارانہ مہارتوں کا خوب خوب مظاہرہ ہو رہا ہے اور اس کے ذریعے سے ایک دوسرے پر برتری اور فخر و غرور کا اظہار بھی۔

فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا (۱۵۰)

پس اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔

وَلَا تُطِيعُوا أَمْرَ الْمُشْرِكِينَ (۱۵۱)

بے باک حد سے گزر جانے والوں کی (۱) اطاعت سے باز آ جاؤ۔

مُشْرِكِينَ سے مراد وہ رؤسا اور سردار ہیں جو کفر و شرک کے داعی اور مخالفت میں پیش پیش تھے۔

الَّذِينَ يُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ وَلَا يُصْلِحُونَ (۱۵۲)

جو ملک میں فساد پھیلا رہے ہیں اور اصلاح نہیں کرتے۔

قَالُوا إِنَّمَا أَنْتَ مِنَ الْمَسْحُورِينَ (۱۵۳)

وہ بولے کہ بس تو ان میں سے ہے جن پر جادو کر دیا گیا ہے۔

مَا أَنْتَ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا فَأْتِ بِآيَةٍ إِنْ كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ (۱۵۴)

تو تو ہم جیسا ہی انسان ہے۔ اگر تو سچوں سے ہے تو کوئی معجزہ لے آ۔

قَالَ هَذِهِ نَاقَةٌ هَا شَرِبَ وَلَكُمْ شَرِبَ يَوْمٍ مَعْلُومٍ (۱۵۵)

آپ نے فرمایا یہ ہے اونٹنی، پانی پینے کی ایک باری اس کی اور ایک مقررہ دن کی باری پانی پینے کی تمہاری۔

یہ وہی اونٹنی تھی جو ان کے مطالبے پر پتھر کی ایک چٹان سے بطور معجزہ ظاہر ہوئی تھی ایک دن اونٹنی کے لئے اور ایک دن ان کے لئے پانی مقرر کر دیا گیا تھا، اور ان سے کہہ دیا گیا تھا کہ جو دن تمہارا پانی لینے کا ہوگا، اونٹنی گھاٹ پر نہیں آئے گی اور جو دن اونٹنی کے پانی پینے کا ہوگا، تمہیں گھاٹ پر آنے کی اجازت نہیں ہے۔

وَلَا تَمَسُّوهَا بِسُوءٍ فَيَأْخُذَكُمْ عَذَابٌ يَوْمٍ عَظِيمٍ (۱۵۶)

(خبردار) اسے برائی سے ہاتھ نہ لگانا ورنہ ایک بڑے بھاری دن کا عذاب تمہاری گرفت کر لے گا

دوسری بات انہیں یہ کہی گئی کہ اس اونٹنی کو کوئی بری نیت سے ہاتھ نہ لگائے، نہ اسے نقصان پہنچایا جائے۔

چنانچہ یہ اونٹنی اسی طرح ان کے درمیان رہی۔ گھاٹ سے پانی پیتی اور گھاس چارہ کھا کر گزارہ کرتی۔

کہا جاتا ہے کہ قوم ثمود اس کا دودھ دوہتی اور اس سے فائدہ اٹھاتی۔ لیکن کچھ عرصہ گزرنے کے بعد انہوں نے اسے قتل کرنے کا منصوبہ بنایا۔

فَعَقَّرُوْهَا قَدْ أَصْبَحُوْا نَادِمِيْنَ (۱۵۷)

پھر بھی انہوں نے اس کی کوچیں کاٹ ڈالیں، (۱) بس وہ پشیمان ہو گئے۔ (۲)

۱۔ یعنی باوجود اس بات کے کہ وہ اونٹنی، اللہ کی قدرت کی ایک نشانی اور پیغمبر کی صداقت کی دلیل تھی، قوم ثمود ایمان نہیں لائی اور کفر و شرک کے راستے پر گامزن رہی اور اس کی سرکشی یہاں تک بڑھی کہ بالآخر قدرت کی زندہ نشانی 'اونٹنی' کی کوچیں کاٹ ڈالیں یعنی اس کے ہاتھوں پیروں کو زخمی کر دیا، جس سے وہ بیٹھ گئی اور پھر اسے قتل کر دیا۔

۲۔ یہ اس وقت ہوا جب اونٹنی کے قتل کے بعد حضرت صالح علیہ السلام نے کہا کہ اب تمہیں صرف تین دن کی مہلت ہے، چوتھے دن تمہیں ہلاک کر دیا جائے گا

اس کے بعد جب واقع عذاب کی علامتیں ظاہر ہونی شروع ہو گئیں تو پھر ان کی طرف سے بھی اظہارِ ندامت ہونے لگا۔ لیکن علامات عذاب دیکھ لینے کے بعد ندامت اور توبہ کا کوئی فائدہ نہیں۔

فَأَخَذَهُمُ الْعَذَابُ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُؤْمِنِينَ (۱۵۸)

اور عذاب نے آدبوجا (۱) پینک اس میں عبرت ہے۔ اور ان میں اکثر لوگ مؤمن نہ تھے۔

یہ عذاب زمین سے زلزلے اور اوپر سے سخت چنگھاڑ کی صورت میں آیا، جس سے سب کی موت واقع ہو گئی۔

وَإِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ (۱۵۹)

اور بیشک آپ کا رب بڑا زبردست اور مہربان ہے۔

كَذَّيْبٌ قَوْمٌ لُّوْطِ الْمُرْسَلِينَ (۱۶۰)

قوم لوط (۱) نے بھی نبیوں کو جھٹلایا۔

حضرت لوط علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھائی ہارون بن آزر کے بیٹے تھے۔ اور ان کو حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی کی زندگی میں نبی بنا کر بھیجا گیا تھا۔ ان کی قوم 'سدوم' اور 'عمور یہ' میں رہتی تھی۔ یہ بستیاں شام کے علاقے میں تھیں۔

إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ لُوطُ أَلَا تَتَّقُونَ (۱۶۱)

ان سے ان کے بھائی لوط نے کہا کیا تم اللہ کا خوف نہیں رکھتے؟

إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ (۱۶۲)

میں تمہاری طرف امانت دار رسول ہوں۔

فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا (۱۶۳)

پس تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔

وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِي إِلَّا عَلَىٰ رَبِّ الْعَالَمِينَ (۱۶۴)

میں تم میں سے اس پر کوئی بدلہ نہیں مانگتا میرا اجر تو صرف اللہ تعالیٰ پر ہے جو تمام جہان کا مالک ہے۔

أَتَأْتُونَ الذُّكْرَانَ مِنَ الْعَالَمِينَ (۱۶۵)

کیا تم جہان والوں میں سے مردوں کے ساتھ شہوت رانی کرتے ہو۔

وَتَذْمُونَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ

اور تمہاری جن عورتوں کو اللہ تعالیٰ نے تمہارا جوڑا بنایا ہے ان کو چھوڑ دیتے ہو

یہ قوم لوط کی سب سے بری عادت تھی، جس کی ابتداء اسی قوم سے ہوئی تھی، اسی لئے اس فعل بد کو لواطت سے تعبیر کیا جاتا ہے یعنی بد فعلی جس کا آغاز قوم لوط سے ہوا

لیکن اب یہ بد فعلی پوری دنیا میں عام ہے بلکہ یورپ میں تو اسے قانوناً جائز تسلیم کر لیا گیا ہے یعنی ان کے ہاں اب سرے سے گناہ ہی نہیں ہے۔ جس قوم کا مزاج اتنا بگڑ گیا ہو کہ مرد عورت کا ناجائز جنسی ملاپ (بشرطیکہ باہمی رضامندی سے ہو) ان کے نزدیک جرم نہ ہو، تو وہاں دو مردوں کا آپس میں بد فعلی کرنا کیونکر گناہ اور ناجائز ہو سکتا ہے؟

اعاذنا اللہ منہ

بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ عَادُونَ (۱۶۶)

بلکہ تم ہو ہی حد سے گزر جانے والے۔

عَادُونَ۔ عاد کی جمع ہے عربی میں عاد کے معنی ہیں حد سے تجاوز کرنے والا یعنی حق کو چھوڑ کر باطل کو اور حلال کو چھوڑ کر حرام کو اختیار کرنے والا

اللہ تعالیٰ نے نکاح شرعی کے ذریعے سے عورت کو فرج سے اپنی جنسی خواہش کی تسکین کو حلال قرار دیا ہے اور اس کام کے لیے مرد کی دبر کو حرام قوم لوط نے عورتوں کی شرم گاہوں کو چھوڑ کر مردوں کی دبر اس کام کے لیے استعمال کی اور یوں اس نے حد سے تجاوز کیا۔

قَالُوا لَئِن لَّمْ تَنْتَهِ يَا لُوطُ لَتَكُونَنَّ مِنَ الْمُخْرَجِينَ (۱۶۷)

انہوں نے جواب دیا کہ اے لوط! اگر تو باز نہ آیا تو یقیناً نکال دیا جائے گا

یعنی حضرت لوط علیہ السلام کے وعظ نصیحت کے جواب میں انہوں نے کہا تو بڑا پاک باز بنا پھرتا ہے۔ یاد رکھنا اگر تو باز نہ آیا تو ہم اپنی بستی میں تجھے رہنے ہی نہیں دیں گے۔

قَالَ إِنِّي لَعَمَلِكُمْ مِنَ الْقَالِينَ (۱۶۸)

آپ نے فرمایا، میں تمہارے کام سے سخت ناخوش ہوں

یعنی میں اسے پسند نہیں کرتا اور اس سے سخت بیزار ہوں۔

رَبِّ تَجَنَّبِي وَآهْلِي بِمَا يَعْمَلُونَ (۱۶۹)

میرے پروردگار! مجھے اور میرے گھرانے کو اس (دجال) سے بچالے جو یہ کرتے ہیں۔

فَتَجَنَّبْنَا وَآهْلَهُ أَجْمَعِينَ (۱۷۰)

پس ہم نے اسے اور اسکے متعلقین کو سب کو بچا لیا۔

إِلَّا عَجُوزًا فِي الْعَابِرِينَ (۱۷۱)

بجز ایک بڑھیا کے وہ پیچھے رہ جانے والوں میں ہو گئی

اس سے مراد حضرت لوط علیہ السلام کی بوڑھی بیوی ہے جو مسلمان نہیں ہوئی تھی، چنانچہ وہ بھی اپنی قوم کے ساتھ ہلاک کر دی گئی۔

ثُمَّ دَمَّرْنَا الْآخَرِينَ (۱۷۲)

پھر ہم نے باقی اور سب کو ہلاک کر دیا۔

وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَطَرًا فَسَاءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِينَ (۱۷۳)

اور ہم نے ان پر خاص قسم کا مینہ برسایا، پس بہت ہی برا مینہ تھا جو ڈرائے گئے ہوئے لوگوں پر برسا

یعنی نشان زدہ کھنگر پتھروں کی بارش سے ہم نے ان کو ہلاک کیا اور ان کی بستیوں کو ان پر الٹ دیا گیا، جیسا کہ سورۃ ہود، ۸۲-۸۳ میں بیان ہے۔

إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُؤْمِنِينَ (۱۷۳)

یہ ماجرہ بھی سراسر عبرت ہے۔ ان میں سے بھی اکثر مسلمان نہ تھے۔

وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ (۱۷۵)

بیشک تیرا پروردگار وہی غلبے والا مہربانی والا۔

كَذَّبَ أَصْحَابُ الْأَيْكَةِ الْمُرْسَلِينَ (۱۷۶)

ایکے والوں (۱) نے بھی رسولوں کو جھٹلایا۔

أَيْكَةَ، جنگل کو کہتے ہیں۔ اس سے حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم اور بستی 'مدین' کے اطراف کے باشندے مراد ہیں۔

اور کہا جاتا ہے کہ **أَيْكَةَ** کے معنی گھنا درخت اور ایسا ایک درخت مدین کے نواحی آبادی میں تھا۔ جس کی پوجا پاٹ ہوتی تھی۔ حضرت شعیب علیہ السلام کا دائرہ نبوت اور حدود دعوت و تبلیغ مدین سے لے کر اس کی نواحی آبادی تک تھا جہاں ایک درخت کی پوجا ہوتی تھی۔ وہاں کے رہنے والوں کو **أَصْحَابُ الْأَيْكَةِ** کہا گیا ہے۔ اس لحاظ سے **أَصْحَابُ الْأَيْكَةِ** اور اہل مدین کے پیغمبر ایک ہی یعنی حضرت شعیب علیہ السلام تھے اور یہ ایک ہی پیغمبر کی امت تھی۔

أَيْكَةَ چونکہ قوم نہیں بلکہ درخت تھا۔ اس لیے اخوت نسبی کا یہاں ذکر نہیں کیا جس طرح کہ دوسرے انبیاء کے ذکر میں ہے البتہ جہاں مدین کے ضمن میں حضرت شعیب علیہ السلام کا نام لیا گیا ہے وہاں ان کے اخوت نسبی کا ذکر بھی ملتا ہے کیونکہ مدین قوم کا نام ہے **وَإِلَىٰ مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا**۔ (۷:۸۵) بعض مفسرین نے اصحاب الایکہ کی طرف لیکن امام ابن کثیر نے فرمایا ہے کہ صحیح بات یہی ہے کہ یہ ایک ہی امت ہے

ادفو الکیل والمیزان کا جو وعظ اہل مدین کو کیا گیا یہی وعظ یہاں اصحاب الایکہ کو کیا جا رہا ہے جس سے صاف واضح ہے کہ یہ ایک ہی امت ہے دونہیں۔

إِذْ قَالَ لَهُمُ شُعَيْبٌ يَا أَيُّهَا الْقَوْمُ اتَّقُوا اللَّهَ (۱۷۷)

جبکہ ان سے شعیب علیہ السلام نے کہا کہ کیا تمہیں ڈر خوف نہیں؟

إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ (۱۷۸)

میں تمہاری طرف امانت دار رسول ہوں۔

فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا (۱۷۹)

اللہ کا خوف کھاؤ اور میری فرمانبرداری کرو۔

وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى رَبِّ الْعَالَمِينَ (۱۸۰)

میں اس پر تم سے کوئی اجرت نہیں چاہتا، میرا اجر تمام جہانوں کے پالنے والے کے پاس ہے۔

أَوْفُوا الْكَيْلَ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُخْسِرِينَ (۱۸۱)

ناپ پورا بھرا کرو کم دینے والوں میں شمولیت نہ کرو

یعنی جب تم لوگوں کو ناپ کر دو تو اسی طرح پورا دو، جس طرح لیتے وقت تم پورا ناپ کر لیتے ہو۔ لینے اور دینے کے پیمانے الگ الگ مت رکھو، کہ دیتے وقت کم دو اور لیتے وقت پورا لو!

وَزِنُوا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيمِ (۱۸۲)

اور سیدھی صحیح ترازو سے تولو کرو

اسی طرح تول میں ڈنڈی مت مارو بلکہ پورا صحیح تول کر دو!

وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ وَلَا تَعْتُوا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ (۱۸۳)

لوگوں کو ان کی چیزیں کمی سے نہ دو (۱) بے باکی کے ساتھ زمین میں فساد نہ مچاتے پھرو۔ (۲)

۱۔ یعنی لوگوں کو دیتے وقت ناپ یا تول میں کمی مت کرو۔

۲۔ یعنی اللہ کی نافرمانی مت کرو اس سے زمین میں فساد پھیلتا ہے

بعض نے اس سے مراد وہ ہزنی لی ہے جس کا ارتکاب بھی یہ قوم کرتی تھی جیسا کہ دوسرے مقام پر ہے:

وَلَا تَقْعُدُوا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوعَدُونَ - (۸۶:۷)

راستوں میں لوگوں کو ڈرانے کے لیے مت بیٹھو۔

وَاتَّقُوا الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالْجِبَلَةَ الْأُولِينَ (۱۸۴)

اس اللہ کا خوف رکھو جس نے خود تمہیں اور انکی مخلوق کو پیدا کیا۔

جِبَلَّةٌ اور جبل مخلوق کے معنی میں ہے جس طرح دوسرے مقام پر شیطان کے بارے میں فرمایا:

وَلَقَدْ أَضَلَّ مِنْكُمْ جِبَلًا كَثِيرًا - (۳۶:۶۲)

اس نے تم میں سے بہت ساری مخلوق کو گمراہ کیا

اس کا استعمال بڑی جماعت کے لیے ہوتا ہے۔ فتح القدير

قَالُوا إِنَّمَا أَنتَ مِنَ الْمُسَحَّرِينَ (۱۸۵)

انہوں نے کہا تو ان میں سے ہے جن پر جادو کر دیا جاتا ہے۔

وَمَا أَنْتَ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَإِنْ نُنظِقُكَ مِنَ الْكَافِرِينَ (۱۸۶)

انہوں نے کہا تو تو ہم جیسا ایک انسان ہے اور ہم تجھے جھوٹ بولنے والوں میں سے ہی سمجھتے ہیں

یعنی تو جو دعویٰ کرتا ہے کہ مجھے اللہ نے وحی و رسالت سے نوازا ہے، ہم تجھے اس دعوے میں جھوٹا سمجھتے ہیں، کیونکہ تو بھی ہم جیسا انسان ہے۔
پھر تو اس شرف سے مشرف کیونکر ہو سکتا ہے۔

فَأَمْسُقُ عَلَيْكَ كَسْفًا مِنَ السَّمَاءِ إِنْ كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ (۱۸۷)

اگر تو سچے لوگوں میں سے ہے تو ہم پر آسمان کے ٹکڑے گرا دے

یہ حضرت شعیب علیہ السلام کی تہدید کے جواب میں انہوں نے کہا کہ اگر تو واقعی سچا ہے تو جاہم تجھے نہیں مانتے، ہم پر آسمان کا ٹکڑا گرا کر دکھا!

قَالَ رَبِّيَ أَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُونَ (۱۸۸)

کہا کہ میرا رب خوب جاننے والا ہے جو کچھ تم کر رہے ہو

یعنی تم جو کفر و شرک کر رہے ہو، سب اللہ کے علم میں ہے اور وہی اس کی جزا تمہیں دے گا، اگر چاہے گا تو دنیا میں بھی دے دے گا، یہ عذاب اور سزا اس کے اختیار میں ہے۔

فَكَذَّبُوا فَخَذَّهْمُ عَذَابُ يَوْمِ الظَّلَامَةِ إِنَّهُ كَانَ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ (۱۸۹)

چونکہ انہوں نے اسے جھٹلایا تو انہیں سائبان والے دن کے عذاب نے پکڑ لیا (۱) وہ بڑے بھاری دن کا عذاب تھا۔

انہوں نے بھی کفار مکہ کی طرح آسمانی عذاب مانگا تھا، اللہ نے اس کے مطابق ان پر عذاب نازل فرما دیا اور وہ اس طرح کہ بعض روایات کے مطابق سات دن تک ان پر سخت گرمی اور دھوپ مسلط کر دی، اس کے بعد بادلوں کا ایک سایہ آیا اور یہ سب گرمی اور دھوپ کی شدت سے بچنے کے لئے اس سائے تلے جمع ہو گئے اور کچھ سکھ کا سانس لیا لیکن چند لمحے بعد ہی آسمان سے آگ کے شعلے برسنے شروع ہو گئے، زمین زلزلے سے لرز اٹھی اور ایک سخت چنگھاڑنے انہیں ہمیشہ کے لئے موت کی نیند سلا دیا یوں تین قسم کا عذاب ان پر آیا اور یہ اس دن آیا جس دن ان پر بادل سایہ لگن ہوا، اس لئے فرمایا کہ سائے والے دن کے عذاب نے انہیں پکڑ لیا۔

إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً وَمَا كَانَ أَكْفَرَهُمْ هُوَ مِنِّي (۱۹۰)

یقیناً اس میں بڑی نشانی ہے اور ان میں سے اکثر مسلمان نہ تھے۔

وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ (۱۹۱)

اور یقیناً تیرا پروردگار البتہ وہی ہے غلبے والا مہربانی والا

وَإِنَّهُ لَتَنزِيلُ رَبِّ الْعَالَمِينَ (۱۹۲)

اور بیشک وہی ہے (قرآن) رب العالمین کا نازل فرمایا ہوا ہے۔

نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ (۱۹۳)

اسے امانت دار فرشتہ لے کر آیا ہے

کفار مکہ نے قرآن کے وحی الہی اور منزل من اللہ ہونے کا انکار کیا اور اسی بنا پر رسالت محمدیہ اور دعوت محمدیہ کا انکار کیا۔ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کے واقعات بیان کر کے یہ واضح کیا کہ یہ قرآن یقیناً وحی الہی ہے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے سچے رسول ہیں۔ کیونکہ اگر ایسا نہ ہوتا تو یہ پیغمبر جو پڑھ سکتا ہے نہ لکھ سکتا ہے گزشتہ انبیاء اور قوموں کے واقعات کس طرح بیان کر سکتا تھا؟ اس لئے یہ قرآن یقیناً اللہ رب العالمین ہی کی طرف سے نازل کر رہا ہے جسے ایک امانت دار فرشتہ جبرائیل علیہ السلام لے کر آئے۔

عَلَى قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ الْمُنذِرِينَ (۱۹۴)

آپ کے دل پر اترا ہے (۱) کہ آپ آگاہ کر دینے والوں میں سے ہو جائیں (۲)

۱۔ دل کا بطور خاص اس لئے ذکر فرمایا کہ حواس باختہ میں دل ہے سب سے زیادہ ادراک اور حفظ کی قوت رکھتا ہے۔
۲۔ یعنی نزول قرآن کی علت ہے۔

بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُبِينٍ (۱۹۵)

صاف عربی زبان میں ہے۔

وَإِنَّهُ لَفِي زُبُرِ الْأَوَّلِينَ (۱۹۶)

انگلے نبیوں کی کتابوں میں بھی اس قرآن کا تذکرہ ہے

یعنی جس طرح پیغمبر آخری زمان صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور و بعثت کا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات کا تذکرہ پچھلی کتابوں میں ہے، اسی طرح اس قرآن کے نزول کی خوشخبری بھی سابقہ آسمانی کتابوں میں دی گئی تھی۔
ایک دوسرے معنی یہ کہتے ہیں کہ یہ قرآن مجید، بہ اعتبار ان احکام کے، جن پر شریعتوں کا اتفاق رہا ہے، پچھلی کتابوں میں بھی موجود رہا ہے۔

أَوَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ آيَةٌ أَنْ يَعْلَمَهُ عُلَمَاءُ بَنِي إِسْرَائِيلَ (۱۹۷)

کیا انہیں یہ نشانی کافی نہیں کہ حقانیت قرآن کو بنی اسرائیل کے علماء بھی جانتے ہیں

کیونکہ ان کتابوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اور قرآن کا ذکر موجود ہے۔ یہ کفار مکہ، مذہبی معاملات میں یہود کی طرح رجوع کرتے تھے۔ اس اعتبار سے فرمایا کہ کیا ان کا یہ جاننا اور بتلانا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم، اللہ کے سچے رسول اور یہ قرآن اللہ کی طرف سے نازل کر رہا ہے۔ پھر یہود کی اس بات کو مانتے ہوئے پیغمبر پر ایمان کیوں نہیں لاتے؟

وَلَوْ نَزَّلْنَاهُ عَلَىٰ بَعْضِ الْأَعْجَمِينَ (۱۹۸)

اور اگر ہم کسی عجمی شخص پر نازل فرماتے۔

فَقَرَأَهُ عَلَيْهِمْ مَا كَانُوا بِهِ مُؤْمِنِينَ (۱۹۹)

پس وہ ان کے سامنے اس کی تلاوت کرتا تو یہ اسے باور کرنے والے نہ ہوتے

یعنی کسی عجمی زبان میں نازل کرتے تو یہ کہتے کہ یہ ہماری سمجھ میں ہی نہیں آتا۔ جیسے حم السجدہ ۴۴ میں ہے۔

كَذَلِكَ سَلَكْنَاهُ فِي قُلُوبِ الْمُجْرِمِينَ (۲۰۰)

اسی طرح ہم نے گنہگاروں کے دلوں میں اس انکار کو داخل کر دیا ہے

یعنی سَلَكْنَاهُ میں ضمیر کا مرجع کفر و تکذیب اور جود و عناد ہے۔

لَا يُؤْمِنُونَ بِهِ حَتَّىٰ يَرَوُا الْعَذَابَ الْأَلِيمَ (۲۰۱)

وہ جب تک دردناک عذابوں کو ملاحظہ نہ کر لیں ایمان نہ لائیں گے۔

فَيَأْتِيهِمْ بَغْتَةً وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ (۲۰۲)

پس وہ عذاب ان کو ناگہاں آجائے گا انہیں اس کا شعور بھی نہ ہوگا۔

فَيَقُولُوا أَهْلَ مَنَظَرٍ مُّنتَظَرٍ (۲۰۳)

اس وقت کہیں گے کہ کیا ہمیں کچھ مہلت دی جائے گی۔

لیکن مشاہدہ عذاب کے بعد مہلت نہیں دی جاتی، نہ اس وقت کی توبہ ہی مقبول ہے۔

أَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُونَ (۲۰۴)

پس کیا یہ ہمارے عذاب کی جلدی چاہ رہے ہیں

یہ اشارہ ہے ان کے مطالبے کی طرف جو اپنے پیغمبر سے کرتے رہے ہیں کہ اگر تو سچا ہے تو عذاب لے آ۔

أَفَرَأَيْتَ إِن مَّتَّعْنَاهُمْ سِنِينَ (۲۰۵)

اچھا یہ بھی بتاؤ کہ اگر ہم نے انہیں کئی سال بھی فائدہ اٹھانے دیا۔

ثُمَّ جَاءَهُمْ مَا كَانُوا يُوعَدُونَ (۲۰۶)

پھر انہیں وہ عذاب آگیا جن سے یہ دھمکائے جاتے تھے۔

مَا أَخْنَىٰ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَمْتَنِعُونَ (۲۰۷)

تو جو کچھ بھی یہ برتتے رہے اس میں سے کچھ بھی فائدہ نہ پہنچا سکے گا۔

یعنی اگر ہم نے انہیں مہلت دے دیں اور پھر انہیں اپنے عذاب کی گرفت میں لیں، تو کیا دنیا کا مال و متاع ان کے کچھ کام آئے گا؟ یعنی انہیں عذاب سے بچا سکے گا؟ نہیں یقیناً نہیں۔

وَمَا أَهْلَكْنَا مِنْ قَرِيْبَةٍ إِلَّا لَهَا مُنْذِرُونَ (۲۰۸)

ہم نے کسی بستی کو ہلاک نہیں کیا ہے مگر اسی حال میں کہ اس کے لئے ڈرانے والے تھے۔

ذِكْرِي وَمَا كُنَّا ظَالِمِينَ (۲۰۹)

نصیحت کے طور پر اور ہم ظلم کرنے والے نہیں ہیں

یعنی ارسال رسل اور انذار کے بغیر اگر ہم کسی بستی کو ہلاک کر دیتے تو یہ ظلم ہوتا، تاہم ہم نے ایسا ظلم نہیں کیا بلکہ عدل کے تقاضوں کے مطابق ہم نے پہلے ہر بستی میں رسول بھیجے، جنہوں نے اہل بستی کو عذاب الہی سے ڈرایا اور اس کے بعد جب انہوں نے پیغمبر کی بات نہیں مانی، تو ہم نے انہیں ہلاک کیا۔

یہی مضمون بنی اسرائیل۔ ۱۱۵ اور قصص۔ ۵۹ وغیرہ میں بھی بیان کیا گیا ہے۔

وَمَا تَنْزَلَتْ بِهِ الشَّيَاطِينُ (۲۱۰)

اس قرآن کو شیطان نہیں لائے۔

وَمَا يَنْبَغِي لَهُمْ وَمَا يَسْتَطِيعُونَ (۲۱۱)

نہ وہ اس قابل ہیں، نہ انہیں اس کی طاقت ہے۔

إِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعْدُونَ (۲۱۲)

بلکہ وہ سننے سے محروم کر دیئے گئے ہیں

ان آیات میں قرآن کی، شیطانی دخل اندازیوں سے، محفوظیت کا بیان ہے۔

ایک تو اس لئے کہ شیاطین کا قرآن لے کر نازل ہونا، ان کے لائق نہیں ہے۔ کیونکہ ان کا مقصد شر و فساد اور منکرات کی اشاعت ہے، جب کہ قرآن کا مقصد نیکی کا حکم اور فروغ اور منکرات کا سدباب ہے گویا دونوں ایک دوسرے کی ضد اور باہم منافی ہیں۔ دوسرے یہ کہ شیاطین اس کی طاقت بھی نہیں رکھتے،

تیسرے، نزول قرآن کے وقت شیاطین اس کے سننے سے دور اور محروم رکھے گئے، آسمانوں پر ستاروں کو چوکیدار بنا دیا گیا تھا اور جو بھی شیطان اوپر جاتا یہ ستارے اس پر بجلی بن کر گرتے اور بھسم کر دیتے، اس طرح اللہ تعالیٰ نے قرآن کو شیاطین سے بچانے کا خصوصی اہتمام فرمایا۔

فَلَا تَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ فَتَكُونَ مِنَ الْمُعَذَّبِينَ (۲۱۳)

پس تو اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو نہ پکار کہ تو بھی سزا پانے والوں میں سے ہو جائے

وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ (۲۱۴)

اپنے قریبی رشتہ والوں کو ڈرادے

پیغمبر کی دعوت صرف رشتہ داروں کے لئے نہیں، بلکہ پوری قوم کے لئے ہوتی ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم تو پوری نسل انسانی کے لئے ہادی اور رہبر بن کر آئے تھے۔ قریبی رشتہ داروں کو دعوت ایمان، دعوت عام کے منافی نہیں، بلکہ اسی کا ایک حصہ یا اس کا ترجمی پہلو ہے۔ جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی سب سے پہلے اپنے باپ آزر کو توحید کی دعوت دی تھی۔

اس حکم کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم صفا پہاڑی پر چڑھ گئے اور **يَا صَبِيحَا** کہہ کر آواز دی۔ یہ کلمہ اس وقت بولا جاتا ہے جب دشمن اچانک حملہ کر دے، اس کے ذریعہ سے قوم کو خبر دار کیا جاتا ہے۔ یہ کلمہ سن کر لوگ جمع ہو گئے، آپ نے قریش کے مختلف قبیلوں کے نام لے لے کر فرمایا، تلاؤ اگر میں تمہیں یہ کہوں کہ اس پہاڑی کی پشت پر دشمن کا لشکر موجود ہے جو تم پر حملہ آور ہو اچا ہوتا ہے، تو کیا تم مانو گے؟ سب نے کہا ہاں، یقیناً ہم تصدیق کریں گے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے اللہ نے نذیر بنا کر بھیجا ہے، میں تمہیں ایک سخت عذاب سے ڈراتا ہوں، اس پر ابو لہب نے کہا، تیرے لئے ہلاکت ہو، کیا تو نے ہمیں اس لئے بلایا تھا؟

اس کے جواب میں یہ سورہ تبت نازل ہوئی۔ (صحیح بخاری)

آپ نے اپنی بیٹی فاطمہ اور اپنی چھوٹی حضرت صفیہ کو بھی فرمایا تم اللہ کے ہاں بچاؤ کا بندوبست کر لو میں وہاں تمہارے کام نہیں آسکوں گا۔

وَ اخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ (۲۱۵)

اس کے ساتھ نرمی سے پیش آ، جو بھی ایمان لانے والا ہو کہ تیری تابعداری کرے۔

فَإِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ إِنَّي بِرِيءٍ مِمَّا تَعْمَلُونَ (۲۱۶)

اگر یہ لوگ تیری نافرمانی کریں تو اعلان کر دے کہ میں ان کاموں سے بیزار ہوں جو تم کر رہے ہو۔

وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيزِ الرَّحِيمِ (۲۱۷)

اپنا پورا بھروسہ غالب مہربان اللہ پر رکھ۔

الَّذِي يَرَاكَ حِينَ تَقُومُ (۲۱۸)

جو تجھے دیکھتا رہتا ہے جبکہ تو کھڑا ہوتا ہے۔

وَتَقَلَّبَكَ فِي السَّاجِدِينَ (۲۱۹)

اور سجدہ کرنے والوں کے درمیان تیرا گھومنا پھرنا بھی

یعنی جب تو تنہا ہوتا ہے، تب بھی اللہ دیکھتا ہے اور جب لوگوں میں ہوتا ہے تب بھی۔

إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ (۲۲۰)

وہ بڑا ہی سننے والا اور خوب ہی جاننے والا ہے۔

هَلْ أَنْتَبِئُكُمْ عَلَىٰ مَنْ تَنْزَلُ الشَّيَاطِينُ (۲۲۱)

کیا میں تمہیں بتاؤں کہ شیطان کس پر اترتے ہیں۔

تَنْزَلُ عَلَىٰ كُلِّ آفَاكٍ أَثِيمٍ (۲۲۲)

وہ ہر جھوٹے گنہگار پر اترتے ہیں

یعنی اس قرآن کے نزول میں شیطان کا کوئی دخل نہیں ہے، کیونکہ شیطان تو جھوٹوں اور گنہگاروں (یعنی کافروں، مجوسیوں وغیرہ) پر اترتے ہیں نہ کہ انبیاء صالحین پر۔

يُلْقُونَ السَّمْعَ وَأَكْتَهُمْ كَادِبُونَ (۲۲۳)

(اچھٹی) ہوئی سنی سنائی پہنچا دیتے ہیں اور ان میں سے اکثر جھوٹے ہیں

یعنی ایک آدھ بات، جو کسی طرح وہ سننے میں کامیاب ہو جاتے ہیں، ان کافروں کو آکر بتلا دیتے ہیں، جن کے ساتھ وہ جھوٹی باتیں اور بھی ملا لیتے ہیں۔

وَالشُّعْرَاءِ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُونَ (۲۲۴)

شاعروں کی پیروی وہ کرتے ہیں جو بیکے ہوئے ہوں۔

أَلَمْ تَرَ أَنَّهُمْ فِي كُلِّ وَادٍ يَهِيمُونَ (۲۲۵)

کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ شاعر ایک ایک بیابان میں سر ٹکراتے پھرتے ہیں۔

وَأَنَّهُمْ يَقُولُونَ مَا لَا يَفْعَلُونَ (۲۲۶)

اور وہ کہتے ہیں جو کرتے نہیں

شاعروں کی اکثریت چونکہ ایسی ہوتی ہے کہ وہ اصول کی بجائے، ذاتی پسند و ناپسند کے مطابق اظہار رائے کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں اس میں غلو اور مبالغہ آرائی سے کام لیتے ہیں اور شاعرانہ تخیلات میں کبھی ادھر اور کبھی ادھر بھٹکتے ہیں، اس لئے فرمایا کہ ان کے پیچھے لگنے والے بھی گمراہ ہیں، اسی قسم کے اشعار کے لئے حدیث میں بھی فرمایا گیا ہے: پیٹ کو لہو پیپ سے بھر جانا، جو اسے خراب کر دے، شعر سے بھر جانے سے بہتر ہے۔ (ترمذی و مسلم وغیرہ)

إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَذَكَرُوا اللَّهَ كَثِيرًا وَانْتَصَرُوا مِنْ بَعْدِ مَا ظَلَمُوا^ط

سوائے ان کے جو ایمان لائے (۱) اور نیک عمل کئے اور بکثرت اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا اور اپنی مظلومی کے بعد انتقام لیا (۲)

۱۔ اس سے ان شاعروں کو مستثنیٰ فرما دیا گیا، جن کی شاعری صداقت اور حقائق پر مبنی ہے اور استثناء ایسے الفاظ سے فرمایا جن سے واضح ہو جاتا ہے کہ ایماندار، عمل صلح پر کاربند اور کثرت سے اللہ کا ذکر کرنے والا شاعر، جس میں جھوٹ، غلو اور افراط اور تفریط ہو، کر ہی نہیں سکتا۔ یہ ان ہی لوگوں کا کام ہے جو مؤمنانہ صفات سے عاری ہوں۔

۲۔ یعنی ایسے مؤمن شاعر، ان کا فر شعر آکا جواب دیتے ہیں، جس میں انہوں نے مسلمانوں کی (برائی) کی ہو۔ جس طرح حضرت حسان بن ثابت کافروں کی شاعری کا جواب دیا کرتے تھے اور خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کو فرماتے:

ان (کافروں) کی ہجو بیان کرو، جبرائیل علیہ السلام بھی تمہارے ساتھ ہیں۔ (صحیح بخاری)

وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنْقَلَبٍ يَنْقَلِبُونَ (۲۲۷)

جنہوں نے ظلم کیا ہے وہ بھی ابھی جان لیں گے کہ کس کروٹ الٹتے ہیں

یعنی کون سی جگہ وہ لوٹے ہیں؟

اور وہ جہنم ہے۔

اس میں ظالموں کے لئے سخت وعید ہے۔ جس طرح حدیث میں بھی فرمایا گیا ہے:

تم ظلم سے بچو! اس لئے کہ ظلم قیامت والے دن اندھیروں کا باعث ہو گا۔ (صحیح مسلم)



© Copy Rights:
Zahid Javed Rana, Abid Javed Rana
Lahore, Pakistan
www.quran4u.com